

خوف کی قید

PDFBOOKSFREE.PK

اشتیاق احمد



معاملہ کیا ہے ؟

”یہ سب اسے بہت دیر سے دیکھ رہا ہوں۔ یہ اس حد تک اداس ہے کہ کیا بتاؤں۔ یوں لگتا ہے ایسے اس پر غم کے پھاڑ ٹوٹ پڑے ہیں۔ میرا جی چاہتا ہے، آؤ کر اس کے پاس جاؤں۔ اور آنا لگتا اس کا غم دور کر دوں۔“ لکھو جلدی جلدی کر گیا۔

”لیکن چند قدم کے فاصلے پر بیٹھے ہوئے شخص کے پاس آؤ کر جانے کی کیا ضرورت ہے۔ اپنی دیر آؤ کر جانے میں لگے گی، اتنی ہی دیر قریب پہل کر جانے میں لگے گی۔“ یوں جی یہ نیشنل پارک ہے، کوئی ایر پارک نہیں، جہاں سے تم آؤ کر جا سکو، گھوڑے نہ رہا۔

”تم تو بال کی کھال اڑاتے ہو۔ باتیں بے چاری بھی کیا سوچتی ہوں گی تمہارے بارے میں۔“

”اس کی ہمدردی سے باتوں کی ہمدردی پر اتر آئے،“

یاد رہے تو عمر گنت کی طرح رنگ بدلتے ہوں۔

”دیکھو، مجھے سڑگٹ دکھا۔ ہاں؟ ٹھادوق نے جھٹکا کر کہا۔

"اچھا چلو۔۔۔ نہیں کہتا میں تمہیں سرگرم۔ دیے سج

بات یہی ہے کہ یہ حضرات مدد درجے اداسی ہیں۔ اور

مجھے بھی ان پر تھک چکا ہے۔

تو آف — دونوں اس کے پاس چلیں۔

لیکن ابھی ہم نے سکول کا کام مکمل نہیں کیا۔

تو کیا ہوا۔ مکتول کا کام اس سے ملاقات کرے

کے بعد کریں گے۔ ابھی کافی وقت ہے ہمارے پاس۔

اپنی بات سمجھو۔

اولوں کے جیسے وہیں اٹھیں ہر چھوڑے اور اس کی

”محرم ۱۱۰۰ھ کو راجہ راجا نے ایک عظیم الشان جنگ لڑی۔

”میں نے کہا کہ میں نے یہ سب سنا ہے۔ آپ کے پاس بیٹے کے ہیں۔“

"شکریہ" دونوں نے اکٹھے ساتھ کیا اور اس کے

نزدیک، میخوردی :

”آپ بہت زیبا“

ہاں ! یہ ٹھیک ہے۔ اواس

- W.

انہوں نے دیکھا۔ اس کی آنکھوں کے گرد سہا

ملحق تھے۔ آنکھوں میں گھوما زندگی کی جھلک تھی ہی نہیں،

حمر کا گوشت رُصل چکا تھا۔ اور بٹیاں نکلی نظر

آج ہی تھیں۔ جسم پر لباس بھی بہت مستعار تھا۔

لیکن وہ صاف سُکھرا تھا۔ یوں وہ مجھے جھوٹے قد

کا آدمی تھا اور کبھی بہت شان والا صحت کا مالک رہا

- 45 -

تپ کی یہ حالت کسی سے بنائی۔ کون ہے وہ ظالم؟

ہی - کیا مطلب ہے وہ دور سے ہوگا۔

بڑا مطلب ہے۔۔۔ آپ اس کے علم کا استاد ہوں گے

پیشہ و ناموس

آپ کے لئے لکھا گیا ہے کہ آپ کے لئے

”جیسا کہ تم کو معلوم ہے“

۱۰۰ : مطلب ہے کہ آپ

قذافی اعجاز میں مسکرایا۔

میں نے یہی بات ہے

”مجھ کو کسی نے غلام نہیں

ہم کی رہیں۔

"کیا آپ کا دوبار تباہ ہو گیا ہے؟"

"جی نہیں، اس کے کما۔"

"گویا بات کچھ اور ہے۔ کیا کسی نے آپ کا دوبار

بڑپ کر دیا ہے؟"

"یہ بھی نہیں کر سکتے؟"

"تو پھر کیا کر سکتے ہیں؟"

"مجھے افسوس ہے۔ میں آپ کو کچھ نہیں بنا سکتا، اس

لے کما۔"

"لیکن کیوں؟"

"اس لیے کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ آپ میرے لیے

کچھ نہیں کر سکتے۔ کوئی بھی میرے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔"

"یہ آپ کیسے کر سکتے ہیں۔ ہم ان شاء اللہ آپ

کے لیے اتنا کچھ کر سکتے ہیں کہ آپ سوچ بھی نہیں سکتے۔"

محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"نہیں۔ کوئی میرے لیے کچھ نہیں کر سکتا اور یہ

میں کسی کو کچھ بتا بھی تو نہیں سکتا، میری زبان پر تو

ویسے بھی تالے لگا دیے گئے ہیں؟"

"ہمارے پاس ماسٹر کی ہوتی ہے۔ ہم ان تالوں

کو کھول سکتے ہیں۔ فاروق نے فوراً کہا۔"

"کیا مطلب۔ یہ کیا کما آپ نے؟"

"فاروق: ایک منٹ ٹھہرو۔ محمود نے اسے گھورا، پھر

اس سے بولا:

"بھیس بنانے میں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ آپ بے فکر

ہو کر ہمیں بتا سکتے ہیں؟"

"نہیں۔ نہیں۔ اس نے خوف زدہ ہو کر کہا

اور اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر تیز تیز قدم اٹھاتا پارک سے

باہر جانے لگا۔

"یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔"

"کمز چلیں۔ محمود فوراً بولا۔"

دونوں نے جلدی جلدی بیٹے سمیٹے اور اس کے تعاقب

میں نکل کھڑے ہوئے۔ وہ پیدل سڑک کے کنارے جا

رہا تھا۔ انھوں نے بھی مناسب فاصلہ رکھ کر چلنا

شروع کیا۔ اس نے ایک بار بھی گھڑ کر نہیں دیکھا تھا،

وہ چلتے رہے۔ یہاں تک کہ آدھ گھنٹے بعد وہ ایک

ٹوٹے پھوٹے گھر میں داخل ہو گیا۔ ان کی آنکھوں

میں آنسو آ گئے۔ محمود نے آگے بڑھ کر دھک دی،

دو دروازے پر آیا اور انھیں دیکھ کر حیران رہ گیا،

"آپ۔ آپ یہاں بھی آ گئے۔"

اے! جب تک آپ ہمیں اپنی کمائی نہیں سناتیں گے،
 اس وقت تک ہم آپ کا چچا نہیں پھوڑیں گے۔
 "اے! لیکن۔۔۔ میں آپ کو اپنی کمائی نہیں سناسکتا۔
 اس طرح میری جان خطرے میں پڑ جائے گی۔
 "کیا۔۔۔ جان خطرے میں پڑ جائے گی۔ اس کا مطلب
 ہے۔ کسی نے آپ کو دھکی دیا ہے کہ کسی کو کچھ نہ بتائیں۔
 وہ تو وہ آپ کو جان سے مار دے گا۔
 "وہے گا نہیں۔ دیا گئے۔ وہ ایک دو نہیں۔ بہت
 سے لوگ ہیں۔"

اور وہ آپ کے دشمن کیوں ہیں؟

"میری ان سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ بلکہ انھوں
 نے تو میری مدد کی ہے۔ لیکن اس حد کے بدلے
 میں وہ چاہتے ہیں کہ میں ان کے بارے میں کسی
 کو کچھ نہ بتاؤں۔ وہ وہ مجھے مار ڈالیں گے۔
 "ساتھ بھاری کچھ میں نہیں آتی۔ جو لوگ مدد کرتے
 ہیں، وہ جان سے مارنے کی دھمکی نہیں دیا کرتے۔
 اب میں آپ کو کسی طرح بتاؤں۔ اس نے انھیں کے
 عالم میں کہا۔
 "اچھا نہ بتائیں۔ یہ کچھ پیسے دکھ لیں۔ آپ کے

کام آئیں گے۔

یہ کہ کر دونوں نے اپنی دھبوں میں جو کچھ تھا،
 نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔
 "نہیں۔ نہیں۔ نہیں۔ میں یہ نہیں کر سکتا۔ میں
 نے زندگی میں کبھی بجیک نہیں لی۔ نہ لوں گا۔ میں کبھی
 نہ کسی طرح گزر بسر کر ہی رہا ہوں۔
 "کیا آپ کا کوئی بڑا کاروبار تھا کبھی؟ محمود نے
 سوچے گئے بغیر کہا۔

وہ دور سے اچھلا۔

"آپ نے یہ اندازہ کس طرح لگا دیا؟

"وہ دماغی ہم اندازے لگانے کے بہت قوی ہیں۔
 فادوق نے شرم کر کہا۔

"وہ کیا؟ اس کے ليے میں حیرت تھی۔

"جس آپ خود ہی کچھ جانیں۔ ہمیں اپنے من
 سے کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔ فادوق نے معصومانہ انداز
 میں کہا۔

وہ ہنس پڑا اور یہ ہنسی اسی کے چہرے پر نہ جانے
 کیسے پھیل گئی تھی۔ خود وہ بھی حیران رہ گیا۔

"ہاں۔ میں ہنسا ہوں۔ کمال ہے۔ میرے چہرے

پر تو مسکراہٹ تک نہیں آتی۔

”اگر آپ ہمیں اپنی کہانی بتا دیں نا۔ تو ہم آپ کو خوب ہنسنے کے قابل بنا دیں گے ان شاء اللہ۔ آپ کی اداسی پر ہلکا کر اڑ جائے گی اور بوٹ کر بھی نہ آئے گی۔“

”کیسے اڑ جائے گی۔ پر ہلکا کر۔ لیکن اداسی پر ہلکا کر کس طرح اڑ سکتی ہے۔“ اس نے حیران ہو کر کہا۔

”محاورات کے ذریعے۔ آپ نہیں جانتے۔ محاورے بہت بڑے بڑے کام کو ڈالتے ہیں۔“

”نا جانے کیا بات ہے۔ آپ سے باتیں کر کے دل کا بوجھ ہلکا ہونا چاہ رہا ہے۔“

”اور اگر آپ اپنی کہانی سنا دیں تو یہ بالکل اکی فائٹ ہو جائے گا۔“

”ہیں ڈرنا ہوں نا۔ اس لیے نہیں سنا سکتے۔ ویسے ہی بہت چاہ رہا ہے۔ سناؤ کو۔“

”تو پھر سنا دیں۔ آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکے گا۔ آپ ہمیں نہیں جانتے۔“

”کیا مطلب۔ آپ کون ہیں؟ اس نے چونک کر کہا۔
”ہم۔ محمود، خادوق اور فرزاد ہیں۔ انسپکٹر حنفیہ کے

بیٹے۔ محمود نے کہا۔

”کیا ااا اس نے چلا کر کہا۔

”کیوں۔ کیا بات ہے؟

”اب تو ہرگز نہیں سناؤں گا۔ اس نے گھبرا کر کہا۔

”کیا بات ہوئی؟

”اسی طرح تو بات بہت آگے بڑھے گی اور میری

محبت آئے گی۔ میں پھر۔ پھر۔“

”میں پھر کیا؟

”میں پھر جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہوں گا۔“

”کیا مطلب۔ تو آپ جیل سے نکالے ہوتے ہیں۔ آپ

جیل میں تھے۔ کسی نے آپ کو جیل سے نکالنے کے لیے

آپ کو سب کچھ لے لیا۔ یہی بات ہے نا؟

”ہاں۔ یہی بات ہے۔ لیکن خدا کے لیے اس بات

کو میں ختم کر دیں۔“

”آپ کو ہم ایک بات بتا دیتے ہیں۔ اور وہ یہ

کہ جیل کا کوئی ملازم یہ کام نہیں کر سکتا۔ یا پھر کم از

کم انہیں بدلے میں کسی اور کو جیل میں رکھنا پڑے گا۔

وہ جی آپ کے میک آپ میں۔ کیا انہوں نے آپ کا

میک آپ کسی کے چہرے پر کیا تھا؟ محمود نے پوچھا۔

"نہیں تو۔ ایسی تو کوئی بات نہیں ہوئی۔"

"آپ تھے کون سی جیل میں؟"

"میں نہیں جانتا۔ جیل بہر حال اسی شہر میں ہے۔
ہر کسی کو دوسرے شہر کا واقعہ نہیں ہے۔"

"آپ کا جرم کیا تھا؟"

"یہی تو مصیبت ہے۔ میں نے کوئی جرم قطعاً نہیں
کیا تھا۔ اس کے باوجود مجھے پکڑ لیا گیا۔ اور جیل
میں ڈال دیا گیا۔"

"ہاں کیسے ہو سکتا ہے۔ اس طرح کوئی کسی کو جیل
میں نہیں ڈال سکتا۔ عدالت میں بھی پیش کرنا پڑتا ہے۔
حمود نے کہا۔"

"ہاں! انھوں نے عدالت میں بھی پیش کیا تھا۔ اور
بیرا جرم بھی ثابت کیا تھا۔ جج نے مجھے عمر قید کی سزا
سنائی تھی۔"

"جرم کیہ ثابت کیا تھا؟ حمود کے لمحے میں حیرت تھی۔
انھوں نے بیرون کے کئی پبلیٹ پیش کر کے بتایا
تھا کہ وہ میرے سامان سے برآمد ہوئے ہیں۔ میں نے
لاکھ شور مچایا کہ یہ جھوٹ ہے۔ قریب ہے۔ میرا
بیرون کے کاروبار سے کوئی تعلق نہیں، لیکن جج نے

میری کسی بات پر یقین نہ کیا۔"

"اور آپ کے وکیل نے کچھ نہیں کیا؟"

"مجھے وکیل کرانے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ وہ
شہر کا بہت بڑا وکیل میرا بہت اچھا واقف تھا۔
میں اسے ہر وہی کے لیے بلاتا، لیکن انھوں نے ایسا
کرنے ہی نہیں دیا اور فیصلے کے بعد جیل میں ٹھونس
دیا۔ میں قریباً ایک ماہ تک وہاں رہا۔ پھر جیل کے
ایک آدمی نے بات شروع کی کہ جیلر چاہتے تو مجھے
امیٹر کے لیے اس جیل سے نکال سکتا ہے۔ دو دن وہ
ساری زندگی جیل میں سڑتا رہے گا۔ سزا پوری ہونے
کے بعد بھی وہاں کوئی نہیں بدچھے گا۔ میں نے پوچھا۔
جیلر مجھ سے کیا چاہتا ہے۔ اس نے فوراً کہا۔ میری
سادہ دولت۔"

"دولت کی اس وقت میرے نزدیک بالکل کوئی اہمیت
نہیں رہ گئی تھی۔ دولت میرے کس کام آتی تھی۔ میں
تمام دولت انھیں دینے پر تیار ہو گیا۔ مرنے کی دھمکی
پہنچاں تک کہ وہ خاموش ہو گیا۔"

"لیکن جیل میں رہتے ہوئے آپ نے انھیں ساری
دولت کس طرح دے دی؟"

"انہوں نے میری بیوی کے نام رقم کھوایا۔ گھر سے
 پچک تک وغیرہ منگوائی۔ میری بیوی تو پہلے ہی ایک
 ماہ سے پریشان تھی۔ اس نے تو میری کم شادی کی
 رپورٹ تک پولیس اسٹیشن میں درج کروا رکھی تھی۔ جب
 پولیس والے وہاں پہنچے تو وہ خود پچک تک لے کر جیل
 تک آئی۔ اور پھر ہم خوب روئے۔ میں نے تک
 میں جو دولت موجود تھی۔ اس کا پچک ٹاٹ کر انہیں
 دے دیا۔ کاروبار چند دن کے اندر فروخت کر کے
 رقم ان کے حوالے کرنے کا وعدہ کیا۔ جیلر نے واضح
 کر دیا تھا کہ اگر میں نے کوئی دھوکا کرنے کی کوشش
 کی تو وہ مجھے پھر اندر کر دے گا۔ بلکہ معذور قرار دیا
 دے گا۔ مجھے پھر گرفتار کر لیا جاتے گا اور جیل میں
 سزا اور بڑھ جائے گی۔ مجھے یہ سب کچھ منظور
 نہیں تھا۔ میں نے گھر آ کر کاغذات جلد از جلد فروخت
 کر ڈالا اور رقم ان کے حوالے کر دی۔ جس وعدہ انہوں
 نے مجھے جیل سے فارغ کیا تھا۔ اس وعدے سے وہ
 پولیس والے مسلسل ساواہ لباس میں میرے ساتھ ساتھ
 رہتے تھے۔

"اور انہوں نے آپ کو جیل سے کب نکالا۔ رات

کے وقت یا دن کی روشنی میں؟
 "رات کے وقت۔ انتہائی خفیہ انداز میں۔"
 "ہاں، انہوں نے آپ کو گرفتار کس جگہ سے
 کیا تھا؟

"مادون روڈ پر تجربے ٹھکانے سے۔"
 "تجربے؟ آپ ان باتوں کا ذکر کسی سے نہ کیجیے
 گا۔ یعنی کسی کو یہ نہ بتائیے گا کہ آپ نے وہیں کچھ
 بنایا ہے۔ آپ کے ساتھ ضرور کوئی چکر چلایا گیا
 ہے۔ آخر آپ کو وکیل کیوں نہیں کرنے دیا گیا۔
 جب کہ یہ قانون ہے۔ دوسرے یہ کہ کوئی جیلر اس
 طرح کسی کو خدایہ نہیں کر سکتا۔ یا پھر آپ کا کوئی
 ہم شکل آپ کی جگہ جیل میں رکھا جائے، ایسے کہ جیل
 کے قیدیوں کی روزانہ گنتی ہوتی ہے۔ کوئی ایک بھی
 کم ہو تو خدایہ ال پل پل پل جاتی ہے۔ آپ مستقل طور
 پر کیسے جیل سے باہر رہ سکتے ہیں۔ بعض بے ایمان
 جیلر ایسا تو کر لیتے ہیں کہ کچھ یا آٹھ مال دار بھرموں کو
 پتے میں ایک بار یا سینے میں ایک آدھ بار ایک رات
 کے لیے ان کے گھر بھیج دیتے ہیں اور ایسی چوڑی رقم
 وصول کر لیتے ہیں۔ لیکن صبح ہونے سے پہلے پہلے وہ

مجرم راجل میں واپس آجاتا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ
نصانت کے طور پر مجرم نے کسی رشتے دار کو جیل میں
رکھتے ہوں، لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ مستقل طور پر کوئی
جیلر کسی کو باہر نکال دے۔

اس طرح تو آپ مجھے پھر جیل بھرا دیں گے۔
اکیسے میں آپ کو کچھ نہیں بتا رہا تھا۔ انھوں نے
مجھے یہی غلط فہم کیا تھا کہ اگر میں نے کسی سے
بھی ان باتوں کا ذکر کیا تو مجھے پھر جیل میں آنا پڑا
پانے کا۔ ہمارے ساتھ تو جو ہو گئی سو ہو گئی۔ لیکن
تم پھر حال جیل میں واپس آجاتے گے۔

ٹال ایہ بھی ہے۔ تیر۔ ہم اسی بارے میں آپ
سے ایسے کسی پریشانی کا سبب نہیں بنیں گے۔ آپ
فکر نہ کریں۔

بہت بہت شکریہ۔

اور وہ وہاں سے رخصت ہو کر گھر کی طرف روانہ
ہوئے۔ دونوں سوچ میں غم تھے۔ ایسے میں محمد نے کہا:
"دست تیرے کی۔" ہم نے اس کا نام وغیرہ تو
پوچھا ہی نہیں۔

تو چلو۔ اب پوچھ لیتے ہیں۔ فاروقی سکرایا۔

وہ واپس پڑے۔ شک دی تو اس نے دروازہ کھولا۔
"کیا آپ کی کوئی چیز وہ لے گئی ہے؟"
"نہیں۔ اتنی دیر تک آپ کے ساتھ بات چیت دی،
لیکن ہم نے آپ سے آپ کا نام تک نہیں پوچھا۔"
"اوہ۔ میرا نام رجب میر ہے۔"

شکریہ آپ کو وہ تاریخ تو یاد ہو گئی۔ جس
تاریخ کو آپ کو میرا سنائی گئی تھی۔
وہ تاریخ تو میرے تاریخ میں نقش ہے۔ ۱۴ دسمبر
رجب میر کے گھر۔

شکریہ بہت بہت۔

"لیکن اب آپ نے یہ تاریخ کیوں پوچھی۔ میرا نام
کیوں پوچھا۔ جب کہ آپ اس بارے میں کچھ نہ گرتے
کا وعدہ کر چکے ہیں۔"

"ہم نے یہ وعدہ کیا ہے کہ آپ تک اس سلسلے
میں کوئی پریشانی نہیں آنے دیں گے۔"

"کیا مطلب۔ گویا آپ اس سلسلے میں تفتیش کریں گے۔
اس نے خوف زدہ انداز میں کہا۔"

"وہ تو ہمیں کرنا ہو گی۔ لیکن آپ کا ذکر تک
دو مہینے میں نہیں آتے گا۔ جب تک کہ آپ کے لیے

ہم کوئی خطہ عیسوی کریں گے۔ اور جب آپ کے لیے کوئی خطہ دود دور تک نہیں رہ جائے گا تو پھر آپ کا نام سامنے لائیں گے۔

اسی لیے میں کسی کو کچھ نہیں بتاتا تھا۔ لیکن آپ نے مجھے باتوں میں الجھا کر سب کچھ پوچھ لیا۔ اور اب ایک بار پھر مجھ پر مصیبت آئے گی۔ اس نے پریشان ہو کر کہا۔

یہی تو آپ سمجھتے نہیں۔ ہم کو جو رہے ہیں کو آپ تک کسی پریشانی کو پہنچنے بھی نہیں دیں گے۔ بلکہ تمہو کہتے کہتے دکھ جائیں گے۔

بلکہ کیا؟

بلکہ آپ کو آپ کی دولت واپس دھا کر دیں گے۔ میں دولت لے کر کیا کروں گا۔ کہیں دولت لیتے لیتے جیل نہ پہنچ جاؤں۔

اول تو ایسا ہو گا نہیں۔ ہر کوئی صورت ایسی ہی بھی جائے گی تو ہم آپ کا کیسی نئے سرے سے واپس لیں گے۔ عدالت میں آپ کو بے گناہ ثابت کریں گے اور اس جیل کو عدالت میں بھیجیں گے جس نے آپ سے دولت حاصل کی ہے۔ اس سے تمام دولت واپس

لیں گے۔ آپ پھر سے کارخانے کے مالک بن سکیں گے۔ یہ ایک خواب ہے۔ جو میں دیکھ تو سکتا ہوں۔ لیکن پورا نہیں ہو سکتا۔ ان میں جیل ضرور چلا جائے گا۔ اس نے مدد دے پریشان ہو کر کہا۔

آپ ابھی نہیں سمجھیں گے۔ اپنے گھر میں خاموشی سے رہیں۔ کوئی بات ہو تو ان نبروں پر ہمیں فون کریں۔ ہم ان میں تو پیغام ضرور نوٹ کروا دیں۔ اچھی بات ہے۔ اللہ اپنا رحم کرے۔

ان ابس آپ اللہ سے رحم مانگتے رہیں۔ خداوندی نے خود کہا۔

اور وہ وہاں سے چلے آئے۔

کیا خیال ہے۔ گھر جانے سے پہلے جیل کا ایک چکر دے گا میں۔ ہم کم از کم یہ تو دیکھ لیں کہ ۱۳ دسمبر کو اسے اسی جیل میں لایا گیا تھا یا نہیں۔

بات تو ٹھیک ہے۔ کچھ کر کے گھر جائیں گے تو فرزند خدایا تو نہیں اڑاتے گی۔

فرزاد کے خدایا کی بات چھوڑو۔ آبا جان جو ہمیں آڑے ہاتھوں لیں گے۔

اور اتنی جان۔

"وہ تو صرف اس بات پر ٹھٹھکی کہ ہم چائے کے وقت گھر کیوں نہیں پہنچے؟ غارتق مکرایا۔

اور پھر وہ جیل پہنچ گئے۔ انھوں نے اپنے گارڈ اندر بھیجے۔ جیلر نے انھیں فوٹہ بلا دیا۔ ان کا نام لاکھم بیگہ تھا۔ بے پردے اور بھاری بھرکم جسم کے مالک۔ کافی بار عجب لگتے تھے۔

"آئیے بھئی آئیے۔ کیسے تکلیف کی؟ انھوں نے مسکراتے ہوئے اخلاق افلاک میں کہا۔

"شکریہ جناب! ہمیں ڈرا قیدیوں کا رجسٹر دیکھنا ہے۔" اچھی منگوا دینا ہوں، لیکن معاملہ کیا ہے؟

"معاملہ کیا ہے۔ یہ تو اچھی باتیں ہیں معلوم؟

"ہوں خیر! انھوں نے کہا اور گھنٹی بجادی۔

پولیس کی وردی میں ایک شخص اندر داخل ہوا۔

"قیدیوں والا رجسٹر لے آؤ بھئی؟

"نیا یا پورا؟

"بے وقوف۔ جب صرف اتنا کہا جاتے کہ قیدیوں کا رجسٹر

لے آؤ تو کیا رجسٹر مراد ہوتا ہے۔ ورنہ ساتھ میں بتایا

جائے گا کہ کون سے سن کا رجسٹر چاہیے؟

"اوہ ایس سر۔ یہ کہ کو وہ جانے لگا۔

"اور سنو مراد خان۔ ڈرا چائے کا بھی کر دینا۔"

"نہیں سر۔ ہم چائے نہیں پیئیں گے۔"

"تو ٹھنڈا منگوا لیجئے؟"

"جنوری میں اور ٹھنڈا۔ ہمیں موسیٰ میں منگوانا پڑتا ہے۔"

جا رہے ہیں کیا؟

"تو پھر چائے کیوں نہیں؟"

"اس لیے کہ ہم صرف اپنے وقت پر چائے پیئیں گے؟"

"اچھا خیر۔ مراد خان۔ صرف رجسٹر لے آؤ؟"

"لا کے سر؟ اس نے کہا اور چلا گیا۔

بعد ہی وہ ایک موٹا سا رجسٹر لے آیا۔ انھوں نے

رجسٹر دیکھنا شروع کیا۔ لیکن یہ رجسٹر یکم جنوری سے تھا۔

اور انھیں سوادمیر کا اندراج دیکھنا تھا۔

"معاف کیجیے گا جناب۔ گزشتہ سال کا بھی منگوا ہی نہیں؟"

"پہلے کیوں نہیں بتایا؟"

"ہم سے بھول ہو گئی؟"

"خیر۔ انھوں نے کہا اور گھنٹی بجائی۔ مراد خان پھر آ

ماظر ہوا:

"پچھلا رجسٹر بھی لے آؤ؟"

"میں نے تو پہلے ہی پوچھا تھا۔"

"ان سے جھول ہو گئی۔ تم جلد انھوں نے ہٹا کر کہا۔
اور مراد خان بڑا سا مزہ بنا کر چلا گیا۔ جلد ہی وہ
ایک اور رجسٹر لے کر اٹھ آیا۔ اب انھوں نے اس رجسٹر
میں دیکھنا شروع کیا۔ ۱۲ دسمبر کی تاریخ میں انھیں کسی رجسٹر
کا نام نظر نہ آیا۔

"نئے قیدی جو آتے ہیں۔ کیا وہ اس رجسٹر میں درج نہیں
کیے جاتے؟

"اس میں روزانہ کی لازمی درج کی جاتی ہے۔ اگر
کوئی نیا قیدی آتا ہے تو اس کا نام درج کر کے ٹوٹل
میں شامل کیا جاتا ہے۔ کوئی قیدی دلا کیا جاتا ہے تو اس
کا نام درج کر کے ٹوٹل میں سے قفروں سے کیا جاتا ہے۔
کافم بیگ نے بتایا۔

شکر یہ: دونوں ایک ساتھ بولے۔

اب انھوں نے گیارہ بارہ اور تیرہ دسمبر کی تاریخوں
میں رجسٹر پر کا نام دیکھ لیا۔ لیکن یہ نام انھیں
نہیں بھی نظر آیا۔ انھوں نے مزید چند تاریخیں بھی دیکھ
لیں۔ یہ دیکھ کر کافم بیگ نے کہا:

"آخر آپ کیا دیکھ رہے ہیں۔ کچھ مجھے بھی تو بتائیں،
شاید میں آپ کا مسئلہ حل کر سکوں۔

"ابھی ہم آپ کو کچھ نہیں بتا سکتے۔

"یہ کیا بات ہوئی؟ ان کا مزہ بن گیا۔

"ہمت جلد آپ سے ملاقات کریں گے اور بتائیں گے۔

"آپ تو مجھے انھیں میں بتلا کیے دے رہے ہیں۔

"یہ ہماری جھوٹی ہے۔ آپ کو کچھ دیر تو انتظار کرنا

ہی ہو گا۔ ویسے ہو سکتا ہے۔ ہم فوراً ہی یہاں آجائیں۔

"خیر، جناب۔ کیوں نہیں؟ وہ بولے۔

دونوں کا فم بیگ کو انھیں کے عالم میں چھوڑ کر باہر

نکل آئے۔

یہی سمجھ لیں

"۱۳ دسمبر کی تاریخ میں رجب میر کا نام موجود نہیں ہے۔ اس کے بعد دن آگے آگے کی تاریخوں میں بھی نہیں ہے۔ آخر کیوں؟ خود نے بڑا بڑا کے انداز میں کہا۔

"یار یہ کیوں بہت خوفناک ہے۔ کیسے رجب میر کی

"انجمن کا شکار ہو جائے؟

"ہاں! ہمیں پہلے اس کی حفاظت کا انتظام کر دینا چاہیے۔ کیونکہ یہ پھر ابھی تک ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔

"ادھر؟" فاروق نے کہا اور برائیل فون کے ذریعے سب انجینئر اکرام کے نمبر مل گئے۔

"السلام علیکم! فاروق نے اس کی آواز سن کر کہا۔

"کوئی کیس شروع ہو گیا کیا؟" اکرام نے پوچھا کر کہا۔

"یہی سمجھ لیں۔"

"کچھ لیں کا مطلب ہے۔ واقعی شروع ہو گیا ہے؟"

اکرام نے پوچھا کر کہا۔

"یہی سمجھ لیں: فاروق سکرایا۔

"عد ہو گئی۔ اچھا بنائیں؟"

"رجب میر۔ ۲۰۴ غازی آباد۔ اس کی اور اس کے گھر والوں کی حفاظت کے لیے دو سادہ لباس والے فوجی طور پر مقرر کر دیں۔"

"اچھی بات ہے۔ کیا یہ لوگ خطرے میں ہیں؟"

"یہی سمجھ لیں۔" فاروق نے خود کہا۔

"بہت بہتر۔ کچھ یا نہیں؟" اس نے جھٹکا کر کہا اور فاروق نے فون بند کر دیا۔

"آخر وہ گھر کے دروازے پر پہنچے۔ جونی محمد نے گھنٹی بجائی۔ دروازہ کھولا اور چمک کر بولی:

"ہائیں۔ یہ تھارے چھڑوں پر کیس کیوں بچ رہا ہے؟"

"کیس کیوں بچ رہا ہے۔ یہ کیا بات ہوئی؟"

"کچھ لوگ کہتے ہیں نا۔ تھارے چھڑے پر بارہ کیوں بچ رہے ہیں۔ سو میں نے سو دیا کہ کیس کیوں بچ رہا ہے۔"

"تم نے کسی طرح اعزازہ لگا لیا کہ ہم کسی کسی سے دو چار ہو چکے ہیں؟"

"دو چار نہیں۔ چار آٹھ۔ کیونکہ تم ڈیڑھ گھنٹہ لیٹ
بہچے ہو۔ اگر تم کسی کیس سے دو چار یا چار آٹھ نہیں
ہوئے ہو تو اس ڈیڑھ گھنٹے کی وضاحت کرنے کے
لیے تیار ہو جاؤ۔ اس لیے کہ آبا جان آج بہت زیادہ
غصے میں ہیں۔"

"اوسے باپ دے۔ اگر ہم دروازے پر ہی کھڑے
رہے تو تم نکال ہوگی ہماری جان۔
"وہ تو ایک دن ویسے بھی نکلتے گی۔ فرزار مگرانی۔
"تو پھر میری فرما کر تم یہ کارنامہ چلے۔ یہی انجام
دینے کی کوشش کرو۔"

"لگ۔ کون سا کارنامہ؟ اس کے لمحے میں حیرت تھی۔
"جان نکالنے والا۔ ایک الموت تو جب نکالیں گے
نکالیں گے۔ تم پہلے ہی کیوں نکالے دے رہی
ہو؟ فاروق نے جھٹکا کر لیا۔
"تینوں اندر داخل ہوئے۔"

"یہ کیا۔ تم جیل سے آ رہے ہو؟ انپکٹر جمشید
نے چونک کر کہا۔

"ہائیں۔ تو کیا جیلر صاحب نے آپ کو بھی فون
کر دیا؟ فاروق چونکا۔

"فون۔ جیلر۔ کیا کر رہے ہو۔ مجھے کسی جیلر
نے فون دون نہیں کیا۔ فرزار بتاؤ انہیں۔ انہوں نے
جلدی جلدی کیا۔

"جب سے آبا جان گھر آئے ہیں۔ کسی کا فون نہیں
آیا۔ فرزار مگرانی۔

"اب پھر آپ نے کیسے جان لیا کہ ہم جیل سے آ
رہے ہیں؟

"تمہارے بالوں پر نیلا رنگ لگا ہوا ہے۔ اور
یلا دھن آج کل جیل کے دوکانوں پر کرایا ہوا ہے۔
کسی اور عمارت کے دوکانوں پر نہیں کرایا جا رہا۔"

"اوہ۔ شاید ہم اندر داخل ہوتے وقت اپنے بالوں
کو پھونکنے سے نہیں بچا سکے۔ غمو نے مڑ بنایا۔

"لیکن تم وہاں کیا کرنے گئے تھے؟
"جی۔ کوہ۔ بس توں کچھ ملیں۔ ہم نے ایک کیس
سول لے لیا ہے۔"

"چلیے خیر۔ معاف تو نہیں لیا۔ کچھ پیسے تو کما کر لاؤ
گے۔ فرزار کے شوخ کواڑ میں کہا۔

"تم چپ نہیں رہ سکتیں۔
"اگر کہتے ہو تو وہ لوں گا۔ لیکن یہ بنا دو۔"

مکتبی دیر؟

"ایک منٹ فرزانہ۔ ہاں تم جلدی جلدی اپنی کہانی سنا دو۔"

"اپنی کہیں۔ وجہ میری۔"

"یہ کیا نام بھائی؟"

"جی ہاں، اس کا نام یہی ہے۔"

"تو اس نے تم دونوں کو جیل کی کوئی کہانی سنائی ہے؟ انہوں نے کہا۔"

"جی ہاں؟"

"گویا اب مجھے بھی وہ کہانی سننا پڑے گی، کیونکہ تم بہت الجھے ہوئے نظر آ رہے ہو۔"

"جی ہاں، یہ تو ہے۔"

"اچھی بات ہے۔ فرزانہ تم بھی ان کی کہانی غور سے سنو۔"

"جی بہت بہتر! فرزانہ نے کہا۔"

"بلکہ بہت غور سے؟ فادوق مسکرایا۔"

انہوں نے نیشنل پارک میں وجہ میر کی ملاقات سے کہانی شروع کی اور جیل پر لا کر ختم کی۔ انیکٹر جیشہ چند لمحے تک سوچتے رہے، پھر بولے:

"کیس بہت دلچسپ ہے۔ اور وجہ میر ضرور مظلوم نظر آتا ہے۔ تم نے اچھا کیا، اس کی حفاظت کے لیے سادہ لباس دے دیے۔ سوال یہ ہے کہ اب اس مسئلے میں ہم کیا کریں؟"

"پتلا سوال۔ آخر اس کا نام جیل کے رجسٹر میں کیوں نہیں ہے؟"

"آؤ دیکھتے ہیں۔ انوں کا نام نہیں چلے گا۔ وہ اچانک اٹھ کھڑے ہوتے۔"

"جی۔ کیا مطلب؟"

"آؤ۔ وہ بولے۔"

وہ گھر سے نکل کر وجہ میر کی طرف روانہ ہوئے۔ جب اس کے گھر کے سامنے پہنچے۔ تو انیکٹر جیشہ نے خاص انداز میں اٹھ دیا۔ ایک سادہ لباس والا تاجر کی طرح ان کی طرف آیا:

"کوئی اس کے گھر میں آیا گیا تو نہیں؟"

"جی نہیں، اس نے بتایا۔"

اور وہ دروازے پر پہنچ گئے۔ دھک دی تو وجہ میر نے دروازہ کھولا:

"اور! آپ لوگ پھر آ گئے؟"

"ہاں! اس بار ہمارے والد صاحب بھی ساتھ ہیں۔"
 "وہ تو میں دیکھ رہا ہوں۔ آئیے۔ اندر آجائیے۔"
 رجب میرے لئے کھڑا ہوا۔
 "نہیں۔ آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہے۔ اگر پڑے
 وغیرہ تبدیل کرنا ہیں تو کر لیں۔"
 "میرے پاس اس سے بستر پڑے نہیں ہیں۔"
 "تو پھر اسی طرح چلیں۔"
 "جائے کہاں ہے؟"
 "آپ کا اقامت میں گئے۔ بس آپ خاموشی سے
 دیکھتے جائیں۔ یہ کہہ کر انہوں نے پھر ساتھ اسی انداز
 میں اٹھایا۔ سادہ لباس والا پھر آگیا۔
 "ان کے گھر والوں کو ہمارے گھر پہنچا دو۔ وہاں
 زیادہ حفاظت سے رہیں گے اور جب تک یہ معاملہ
 حل نہیں ہو جاتا۔ مگر رجب میرا آپ بھی ہمارے گھر
 رہیں گے۔ اب آپ اپنے بیوی بچوں سے کہ دیں۔
 کہ وہ ان کے ساتھ چلے جائیں۔"
 "جی ہاں۔"
 "بلکہ پہلے ہم انہیں خود وہاں پھوڑا آتے ہیں۔ انپٹر
 جمشید بولے۔"

"یہ ٹھیک رہے گا۔"
 رجب میرے گھر کے افراد کو اپنے گھر پھوڑ کر
 وہ جیل پہنچے۔ کالعدم بیگ نے انہیں حیرت زدہ نظروں
 سے دیکھا۔ پھر بولے۔
 "غیر تو ہے؟"
 "ان صاحب کو دیکھیے۔ یہ ایک ماہ تک جیل میں
 رہے ہیں۔"
 "کیا فرمایا آپ نے۔ یہ جیل میں رہے ہیں ایک ماہ
 تک۔ نہیں ہرگز نہیں۔"
 "کیا فرمایا آپ نے۔ یہ جیل میں نہیں رہے؟ انپٹر
 جمشید نے بھی حیران ہو کر کہا۔
 "جی ہاں انہیں رہے۔"
 "اوہ! لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ انہیں آج سے
 قریباً ایک ماہ پہلے مارون روڈ سے پولیس نے گرفتار
 کیا۔ حالات میں دکھا۔ پھر انہیں عدالت میں پیش کیا
 گیا جو کہ فوری سماعت کی تھی۔ پولیس نے میری پیش
 کی۔ اس لحاظ سے کہ وہ بیرونی ان کے پاس سے
 برآمد ہوئی ہے۔ اس طرح جج نے انہیں عمر قید کی
 سزا سنائی۔ پھر یہ ایک ماہ تک جیل میں رہے۔"

"اور اس کے بعد۔ پھر کیا ہوا۔ یہ تو جیل سے باہر
نظر آ رہے ہیں۔"

"وہ ایک الگ کہانی ہے۔ چلے یہ تو معلوم ہو کر یہ
جیل میں رہے ہیں یا نہیں۔"

"پہلی بات تو یہ کہ آپ انہیں سارے چلے کو دکھا
لیں۔ چلے کا ایک آدمی بھی اگر یہ کہوئے کہ یہ
جیل میں رہے ہیں تو میں مجرم۔ یا پھر خود ان
سے پوچھ لیں۔"

"ان سے کیا پوچھ لیں؟"

"جیل اندر سے دکھا کر ان سے پوچھیں۔ یہ کون
سی کٹھری ہیں رہے ہیں۔ چلے میں سے یہ کس کس
کو پہچانتے ہیں؟"

"بات تو ٹھیک ہے۔ انپکٹر جھٹہ ہوئے۔"

"تو پھر آئیے۔ میں آپ کو جیل کے اندر فی حقے
میں لے چلتا ہوں۔ انھوں نے سگریٹ منگاتے ہوئے
کہا، پھر ہوئے؟"

"اگر میں سگریٹ پیوں تو آپ کو اس کی ٹوٹا مار
تو نہیں گزروں گی؟"

"نہیں۔ آپ شوق سے پیئیں۔"

پھر وہ ان کے ساتھ جیل کے اندر پہنچے۔ جیل کے
اندر والے جتنے کو دیکھ کر جب میر ٹری طرح ہونکا:
"جیل میں۔ یہ وہ جیل نہیں ہے۔ جس میں مجھے
دکھا گیا تھا۔"

"کیا مطلب؟ وہ سب ایک ساتھ ہو گئے۔"

"جی ہاں اچھے اس جیل پرگز نہیں دکھا گیا۔"

"لیکن عمارتے شہر میں تو بس یہی ایک جیل ہے۔"
انپکٹر جھٹہ ہوئے۔

"جی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ پھر مجھے کہاں دکھا گیا
تھا، جب میرے کہا۔"

"ایک منٹ۔ اس بج کا نام کیا تھا۔ جس کی عدالت
میں آپ کو جیتا گیا؟"

"ان کا نام بج سا ہو شاہ تھا۔"

"انپکٹر جھٹہ نے پگھری کے رجسٹرار کو فون کیا اور
اس سے بات کرنے کے بعد دیپور دکھا دیا۔"

"اس نام کا کوئی بج عمارتے شہر میں نہیں لگا ہوا۔
کبھی بھی نہیں لگا رہا۔"

"آفت میرے مالک، پھر یہ سب کیا ہے؟"

"یہ تو ہمیں معلوم کرنا ہو گا۔ بہر حال۔ اس معاملے

کا اس جیل سے اور جیل کے غلط سے کوئی تعلق نہیں ہے۔
لہذا ہمیں اب یہاں سے ریل وٹا چاہیے۔ اور کانٹنمنٹ
صاحب۔ ہم معافی چاہتے ہیں۔ آپ کو ذمت دی۔
لیکن اس میں آپ کا بھی کیا قصور؟
اور پھر وہ وہاں سے رخصت ہو گئے۔

آپ اب تک کیا سمجھتے ہیں آباہان؟
یہ کہ ہمارے غم میں کوئی مصنوعی جیل ہے۔ مصنوعی
حالات ہے۔ مصنوعی پولیس والے ہیں۔ وہ اسی طرح
کسی دولت مند کو پکڑ لیتے ہیں اور اس کی ساری دولت چھین
لیتے ہیں۔

لیکن وہ جیل کہاں ہے۔ وہ حالات کہاں ہے؟
جس تلاش کرنا ہوگی۔ اس ظلم کو ختم کرنا ہوگا۔
وہ نہ جانے کتنے لوگ ان کے ظلم کا شکار ہو جائیں گے۔
آف مانک، تو وہ سب کچھ مسترد کر دے گا۔
ان کے ہاں یہ ہو رہی نہیں تھی کہ ایک جیل کسی قیدی کو
رہا کر دے۔

یا اللہ! اب میں کیا کروں؟
اب آپ بے فکر ہو جائیں۔ آپ کو کچھ نہیں کرنا
ہے۔ کرنے کا کام اب ہمارا ہے۔ ان لوگوں کو تلاش

لگائیں گے۔ بے گنہگاروں کو ان کی مصنوعی جیل سے نجات
دلائیں گے اور ان کی دولت بھی واپس دلوائیں گے۔
دولت ان لوگوں نے سنبھال کر رکھی ہوئی ہوگی؟
جس قدر واپس حاصل کر سکیں گے۔ وہ تو آپ
کو ملے گی نہ؟

اچھا خیر۔ اس لئے تھا۔
دکھ رہے تھے۔ اور ملے تو چھنے کو اب یہ کریں۔
انہوں نے خزانے سے بھی لٹا کر کوئی ترکیب سوچے۔ خزانہ
سوچا یہی خوب لگتی۔ آخر اس نے انہیں ایک ترکیب بتائی،
ترکیب سن کر وہ اچھل پڑے۔ ان کی آنکھیں چمک اٹھیں،
ہیکٹر امیتھ سے قدا خان زمان کے فہرہ ملے۔

ساری صورت حال انہیں بتائی، پھر خزانہ کا پروگرام
انہیں بتایا۔ وہ بھی خوش ہو گئے، پھر ہوئے۔
لیکن پروقیئر صاحب کے بغیر مزا نہیں آئے تھا۔
چلو انہیں بھی شامل کر لیتے ہیں۔

اور پھر پروقیئر دادہ کو بھی فون کیا گیا۔ وہ بھی ان
کا ساتھ دیتے پر تیار ہو گئے۔

دوسرے دن کے اخبارات نے ایک خبر شائع کی۔
خبر یہ تھی۔

ہیروں کے ایک سوداگر کی دارالحکومت میں آکر۔
 دارالحکومت، ہیروں کے ایک بڑے سوداگر دارالحکومت
 میں آئے ہوئے ہیں۔ ان کے پاس بہت تیار
 میرے ہیں۔ صرف وہ ان کا قیام دے
 گا۔ ہیروں کے شوقین ان سے ہول انڈریش میں
 رابطہ کر سکتے ہیں۔ کل رات نو بجے کو، دارالحکومت
 سے رخصت ہو جائیں گے۔

قانونی تقاضا

ہول انڈریش کے کمرہ نمبر ۱۱ میں ان وقت ہیروں
 کے سوداگر خان بہادر خان موجود تھے۔ ان کے ساتھ
 ان کے دو دوست اور ایک دوست کے بیٹے بھی تھے۔
 ایک ریز پر ہیروں کا کپڑا دکھا تھا۔ اس میں ان گنت
 میرے جگ جگ لگ کر رہے تھے۔ ایسے میں
 دنگ ہوئی۔

شریف نے آئیے، خان بہادر خان بولے۔

دروازہ کھول کر ایک لمبے قد کا آدمی اندر داخل ہوا
 اس کے جسم پر بہت قیمتی لباس تھا۔ اٹھوں میں ہیروں
 کی انگلیاں تھیں۔ اس کی ناک بہت زیادہ لمبی تھی۔
 میں نے انہار میں آپ کی آمد کی خبر پڑھی تو یہاں
 آنے کے لیے بے چین ہو گیا۔ مجھے امید ہے آپ مجھے
 رہتے دکھانا پسند کریں گے۔

”خود کیوں نہیں؟“

وہ میز کے گرد جا بیٹھے۔ خان بہادر کے باقی
باقی وہیں بیٹھے اپنی باتوں میں مشغول رہے۔ خان صاحب
انہیں پیرے دکھانے لگے۔ وہ ان کی قیمتیں پوچھتے رہے۔
خان بہادر بتاتے رہے۔ آخر وہ آٹھ سو روپے لے لے۔
”یہ تو بہت زیادہ قیمتی ہیں، میری بہت سے باہر۔
امید ہے، سعادت فرمائیگی گے؟“

”اوہ! کوئی بات نہیں۔ انھوں نے منکر کر لی۔
ان کے جانے کے بعد خان بہادر نے اپنے ساتھیوں
کی طرف دیکھا۔“

”ان کے بارے میں کیا خیال ہے جی؟“

”وہ ایک پیرا ڈالے گیا ہے۔“

”اوسے۔۔۔ اچھا۔ خان بہادر ہنسنے لگے۔“

”اُن! اور میں نے اسے جانے دیا۔ ظاہر ہے۔“

وہ یہ پیرا بازار سے جا کر کسی جوہری سے چیک کرائے گا
اور پیرا اصل ہونے کی صورت میں وہ جان لے گا کہ
ہم موٹی آسامی ہیں۔“

”اوہ! ان کے مزے نکلا۔“

”اس وقت تک جتنے آدمی پیرے دیکھنے آتے ہیں۔“

ان میں سے پیرا صرف اس لمبی ناک والے نے چرایا ہے،
مطلب یہ کہ یہ آدمی ہو سکتا ہے۔ مصنوعی جیل والوں کا
ماضی ہو۔“

”امید پر دنیا قائم ہے۔ اچھی اور لوگ بھی تو آئیں گے۔
اُن خود۔ کیوں نہیں؟“

رات تک لوگ آتے رہے۔ پیرے دیکھتے رہے

اور وہ پیرے دکھاتے رہے۔ کچھ پیرے فروخت بھی ہو

گئے۔ اور آخر رات زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ آرام کرنے

کے لیے بیٹ گئے۔ ملاقات کے لیے آنے والوں میں سے

بہت سے نے ایک پیرا چرایا تھا۔ اور کسی نے ایسی کوشش

میں کی تھی۔ دوسرے دن بھی ان کے پاس آئے والوں

”تلاش لگا رہا۔ اور پھر رات ہونے پر انھوں نے اپنا

سامان سمیٹا اور رخصت ہوئے۔ خان دھان کی بڑی

کوڑی کا رنگ تبدیل ہو چکا تھا اور نمبر پیٹ بدل دی

کچھ تھی۔ لہذا اب انھیں کوئی پہچان نہیں سکتا تھا۔

اب ان کا سفر مادون روڈ پر شروع ہوا۔ شہر سے

باہر جانے کے لیے کبھی گاڑیوں کو مادون روڈ سے گزرنا

پڑتا تھا۔ اچھی انھوں نے وہ اعلیٰ گاڑی پر ماسا

لے لیا جو گاڑی کو باہر کی دو شیشیاں لگاڑی پر مادی

گئیں۔ یہ اشارہ تھا کہ گاڑی روک لو۔ پولیس پہنچ گئی
کرنا چاہتی ہے۔

”آٹھ گئے شکاویٰ فریادوں پر۔“

”شکاوی یا شکار؟“ فریاد نے منہ بنایا۔

”فی الحال تو یہ شکاوی شہادت ہوں گے۔ جب شکا
ہوں گے، تب ہی بات ہے؟“

”اور یہ اپنا جال جی ساتھ لاتے ہوں گے انکو
لے سکا کر کہا۔“

”ہر شکاوی جال نہیں دگاتا۔ جیسے اگل سولہ ملے۔“

”وہ تو عجیب و غریب قسم کے جال بجاتے ہیں۔“

فریاد نے منہ بنایا۔

اور پھر گاڑی روک گئی۔ سامنے تین پاء پولیس والے

کھڑے تھے اور کچھ ٹاٹلے پارٹرک کے کنارے پولیس کی

گاڑی تھی۔ اس کی نیلی روشنی برابر گھوم رہی تھی۔

”پس پھر۔ کیا حکم ہے؟“ عمارت و عمارت نے منہ باہر نکال

کر کہا۔

”گاڑی کو چیک کریں گے۔ آج کچھ گاڑیوں پر ہیروئن

لے جاتے ہمارے کی اطلاعات ملی ہیں۔ لہذا ہم ہر

گاڑی کو چیک کر رہے ہیں۔“

”اوہ اچھا۔ لیکن آپ یقین کریں۔ ہمارا ہیروئن کے
کاروبار سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔“ عمارت و عمارت بولے۔

آپ کیا کاروبار کرتے ہیں؟

”میں ہیروئن سے بھی زیادہ مشکلی چیز کا بیوپاری ہوں،
یعنی ہیروئن کا۔“

”اوہ اچھا۔ لیکن ہمیں ہر گاڑی کی تلاشی کی ہدایات
ہیں۔“ تھائی تو ہمیں یں ہو گی۔

”جیسے آپ کی مرضی۔ ہم کیا کر سکتے ہیں؟“ انھوں نے
منہ سے اڑھکائے۔

آپ لوگ نیچے اتر آئیں۔“

”لیکن جناب! اس کے لیے نیچے اتر آنے کی کیا ضرورت

ہے؟“ اسپیکٹر جمشید مسکرائے۔ وہ بھی سید سے سادے کاروبار والی

کوئی کے ایک آپ میں تھے۔

”ضرورت ہے۔ آپ نیچے اتر آئیں؟“

”جی ہمتہ۔“ وہ بولے۔

اور پھر وہ نیچے اتر آئے۔ ان کی جامد تلاشی لینے

کے لیے کانسٹیبل ابھی آگے بڑھے ہی تھے کہ اسپیکٹر جمشید

بول اٹھے۔

”ایک منٹ جناب! پہلے قانونی آفایا پورا کریں۔“

"خانوں تعاضا۔ کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ چلے آپ اپنی تلاشی دیں۔"

"اور اچھا۔ ضرور کیوں نہیں۔ تلاشی لے گئے ہیں آپ۔
انہوں نے کانٹیلوں کی تلاشی لی۔ ان کے پاس بیرونی
نہیں تھی۔ پھر وہ انپکٹر کی طرف بڑھے۔"

"آپ بھی تلاشی دے دیں میرے۔"

"نہیں آپ لوگ میری تلاشی نہیں لے سکتے۔ اس
لیے کہ میں آپ لوگوں کی یا آپ کی کار کی تلاشی نہیں
لوں گا۔"

"اچھی بات ہے۔"

"کانٹیل کار میں داخل ہو گئے۔ اور پھر ایک منٹ
کے اندر اندر انہوں نے کار میں سے بیرونی کی تصدیق
کمال دی۔"

"اوستہ یہ کیا؟ وہ واقعی حیرت زدہ رہ گئے۔"

"بیرونی۔ اسی کی ہمیں اطلاع ملی تھی جناب۔"

"بہت خوب۔ آپ کی کار کو دیکھ کر جانل ہوتا ہے۔"

"جی جی۔ انپکٹر جشیہ مکراتے۔"

"کیا مطلب؟ انپکٹر نے چونک کر کہا۔"

"میرا مطلب ہے۔ آپ نے تو ایک منٹ کے اندر"

"اور بیرونی تلاشی کر دی۔ اور ہم نے کھست ہونے سے
پٹے اس منٹ تک گاڑی کی تلاشی لی تھی، لیکن یہ پیکٹ
اس وقت اس میں نہیں تھے۔"

"یہ ہونے لگے۔ یہ تو آپ لوگوں نے کار میں
بعد میں لگے ہوں گے۔"

"بچ بات۔ بے کو ان پیکٹوں سے ہمارا کوئی تعلق
نہیں۔ لیکن اب آپ ہمیں لگے کہاں؟"

"اے، یہ تو ہے۔ آپ کو چلے حالات سے جانیں
گئے۔ پھر عدالت میں پیش کیا جائے گا۔ آج کل بیرونی
کے کیسوں کے جلد فیصلے کے لیے ایک فوری سماعت
کی عدالت قائم کی گئی ہے۔ آپ کو اس کے سامنے
درج کیا جائے گا۔"

"ضرور۔ کیوں نہیں۔"

"انہیں انجی کی گاڑی میں ایک پولیس اسٹیشن تک
لایا گیا۔ پولیس اسٹیشن کو دیکھ کر انہیں حیرت ہوئی۔ وہ
شہر سے باہر غیر آباد جگہ پر تھا۔ اور وہ سوچ بھی نہیں
سکتے تھے کہ ان لوگوں نے اس جمل سازی کے لیے
اس قدر شان دار تھا بھی بنوایا ہو گا۔ بہر حال انہیں
حالات میں ڈال دیا گیا۔"

"ابھی تک ہمیں ہمدے وکیل سے فون پر بات نہیں کرائی گئی۔" انیکٹر جھپٹا ہوا۔
"کرا دی جاتے گی۔" نگر۔

ان کے ہیرے اور دوسرا سامان قبضے میں لے لیا گیا تھا۔ ہیرے وہ چلتے ہی اچھی طرح کن کر چکے تھے۔ تمام رات ان سے کوئی بات نہ کی گئی۔ کھانے کو کچھ دیا گیا۔ صبح بھی ناشتے کے بغیر ہی عدالت میں پہنچ کر دیا گیا۔ اس دوران انیکٹر جھپٹا نے کہا:

"آپ نے ابھی تک ہماری بات ہمدے وکیل سے نہیں کرائی۔ اور ہمیں کھانے کو بھی کچھ نہیں دیا گیا۔ ہم یہ بات عدالت کو بتائیں گے۔"

اور وہ عدالت کے کٹروں میں لا کھڑے کیے گئے۔
پچھ منٹ بعد جج بھی عدالت کی کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔ انھوں نے جج کو بغور دیکھا۔ عدالت کے ماحول کو باقاعدہ دیکھا۔ وہ ہر طرح سے مکمل عدالت تھی۔ اسی سے مصنوعی پن بالکل نہیں جھلک رہا تھا۔ حوالات سے اس عدالت تک انھیں بند لگاڑی میں لایا گیا تھا۔

اور بند لگاڑی نے راستے میں ان محنت چکر کاٹے تھے۔ اسی لیے۔ وہ یہ اندازہ نہیں لگا سکے تھے کہ یہ عدالت شہر کے کس حصے میں ہے۔ اہل حوالات کا اندازہ لگا چکے تھے۔ مگر وہاں تک تو انھیں ان کی کار میں ہی لایا گیا تھا۔

جج کے سامنے ان کے جرم کی تفصیل بیان کی گئی۔ جج سنا رہا، نوٹ لیتا رہا، پھر وہ ہیروئن بھی پیش کی گئی۔ جو ان کی کار سے برآمد کی گئی تھی۔

"آپ لوگ اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہتے ہیں؟" جی ہاں: پہلی بات تو یہ کہ ہمیں وکیل کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ کیا یہ ہمدے ملک کا قانون نہیں ہے سرکہ جرم کو وکیل کی مہلت دی جائے؟

"ہاں: یہ قانون ہے۔ لیکن یہ فوری سماعت کی عدالت ہے۔ وکیل لوگ سماعت کو بہت بجا کر دیتے ہیں۔ اگر آپ کی کار میں سے ہیروئن برآمد نہیں ہوئی تو بات کریں، جہاں وکیل کی ضرورت نہیں ہے؟"

"یہ آپ کا کہنا ہے، ہمارا نہیں۔ ہمارا مطالبہ ہے، ہمیں وکیل کرنے کی مہلت دی جائے؟"

"انھوں۔۔۔ یہ مہلت نہیں دی جا سکتی۔ ہیروئن کے

کادو بار کو ہمیں اپنے ملک سے جڑ سے اکھاڑ پھینکا ہے۔
اگر ہم وکیلوں کے پتھروں میں پڑے رہے تو کام نہیں ہو
سکے گا۔

"اچھی بات ہے، ہم آپ کو بھی اسی کوڑے میں چیلنج کریں گے۔"
"چیلنج تو اس وقت کریں گے تا جب یہاں سے نکل
کر جائیں گے۔" جج نے کہا۔

"کیوں۔ کیا ہم نکل کر نہیں جاسکیں گے؟"
"ناممکن۔ میں تم لوگوں کو عرقید کی سزا دے رہا ہوں۔"
"تو عرقید بھی تو ختم ہو جاتی ہے سزا۔" انپکٹر جمشید نے
"باہر دن کے کیس کی عرقید ختم نہیں ہوتی۔" جج نے
منہ بنایا اور پولیس کو اشارہ کیا کہ انہیں لے جائیں۔

انہیں عدالت سے باہر لے جایا گیا۔ اور پھر بند کھاری
میں بٹھا کر جیل تک لایا گیا۔ وہ اس جیل کو دیکھ کر
بھی بہت حیران ہوئے۔ کیونکہ یہ باقاعدہ جیل تھی۔
یہاں بھی کوئی مصنوعی پن نہیں جھلک رہا تھا۔ گویا ان
لوگوں نے اپنے جرم کے لیے بہت محنت کی تھی۔

جیل کے رجسٹر میں ان کے نام وغیرہ لکھے گئے۔ پھر
انہیں ایک کونٹری میں بند کر دیا گیا۔

"لو جیسی۔ جیل میں تو ہم پہنچ گئے۔" خان رحمان نے

"اب کتنے دن یہاں رہنے کا پروگرام ہے؟" پروفیسر دادو نے
"ڈائریل دیکھ لیں۔" تیل کی دھار دیکھ لیں۔" انپکٹر جمشید
نے کہا۔

"جیل میں تیل۔ کیا کر رہے ہیں آبا جان؟" محمود نے
حیران ہو کر کہا۔

"دادو جمشید۔ یہ لوگ کھانے کو تو دیں گے نا۔" پروفیسر
دادو نے۔

وہ مسکرا دیے۔

"ضرور دیں گے۔ آپ ٹھکرہ کریں۔" انہوں نے کہا۔
"نہیں اس وقت بھاری قدموں کی آواز سنائی دی۔"

"بر کوئی یہی کہتا ہے۔ خیر۔ کچھ دن بعد خود ہی ملان
جاؤ گے۔ اب تو تمہیں اپنی زندگی کا ایک بہت بڑا حصہ
یہاں گزارنا ہے۔"

"تو آپ یہاں کے جیلر ہیں یا محمود نے پوچھا۔
"ہاں بالکل۔"

"آپ کا کیا نام ہے جناب؟
"ابراہیم بارو۔"

"اس نے کہا وہ آگے بڑھ گیا۔
"تو یہ یہاں کے جیلر ہیں۔"

"دوسرے دن صبح ان سب کو کوشریوں سے نکالا
گیا۔ انہوں نے دیکھا۔ وہاں کل مین سٹا کے قریب
قیدی تھے۔ وہ حیرت زدہ رہ گئے۔ "تین سو آدمیوں کی
گم شدگی سے آخر شہر میں دل چل کیوں نہیں چلی۔ اس
کا صاف مطلب یہ تھا کہ یہ لوگ صرف دارالحکومت سے
نہیں تھے۔ بلکہ مختلف شہروں کے تھے۔ ان سب کی حاضری
لی گئی، پھر ناشتا دیا گیا۔"

"ناشتے میں جتنے ہوئے چنے اور گڑ دیا گیا۔ جب یہ
ناشتا ان کے سامنے آیا تو پروفیسر داؤد بے ساختہ انداز
میں بولے:

چاقو نکالو

"انہوں نے دیکھا۔ بے قد سا ایک شخص چلا آ رہا تھا۔
کوشری کے سامنے پہنچ کر وہ رگ گیا۔ اس کے دیکھے دن
بارہ کا فٹیل تھے۔"

"یہ ہمارے جیلر ہیں۔ جیل کے ایک ملازم نے گویا
تعارف کروایا۔"

"ان سے مل کر خوشی ہوئی۔ ایک پکڑا حشیدہ دوسے۔"

"لیکن مجھے نہیں ہوئی۔ میں ہیروئن کا کاروبار کرنے
والوں سے مل کر ہرگز خوش نہیں ہوتا۔"

"تب تو آپ کو ہم سے مل کر خوش ہونا چاہیے جناب۔
خاروق نے فوڈا کہا۔"

"کیا مطلب؟"

"ہمارا ہیروئن کے کاروبار سے کوئی تعلق نہیں۔ ہم
اس معاملے میں بالکل بے گناہ ہیں۔"

"یہ — یہ کیا ہے؟"

"یہ ناشتا ہے اکل۔"

"پہنے اور گروہ وہ بولے۔"

"جی ہاں! جیل میں تو ایسا ہی ناشتا مل سکتا ہے۔"

"دھت تیرے کی۔" پردھیر داؤد نے جتا کر اپنی دان

پر ماتھ مارا اور گوہ سب سکرا دیے۔

لیکن پھر انھیں وہی ناشتا کرنا پڑا اور کچھ تو یہ ہے

کہ ان چٹوں اور گڑ نے بہت مڑا دیا۔

"بھئی واہ مڑا گیا۔ ایک زمانے کے بعد ایسا لذیذ

ناشتا ملا ہے۔" انپکٹر ہمیشہ بولے۔

"ہاں بس۔ گزارا ہو گیا۔" پردھیر داؤد بولے۔

ناشتے کے بعد سب قیدیوں کو کام پر لگا دیا

گیا۔ کسی کے ذمے پودوں کو پانی دینا لگایا گیا تو

کسی کے ذمے صفائی کا کام۔ غرض مختلف قسم کے کام

ان میں تقسیم کر دیے گئے۔ ان کے ذمے تمام قیدیوں

کے گھڑے بھرنے کا کام لگایا گیا۔ گویا تمام کوشکاریوں

کے خالی گھڑے انھیں بھرنے تھے۔

"آئیے پردھیر صاحب، ذرا گھڑے بھریں۔"

"تھ۔ تو۔ اب میں بھی گھڑے بھروں گا؟"

"مجبوری ہے۔" انپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اچھا بابا۔ انھوں نے تمہارا کر کہا۔ لیکن جو نہیں وہ

ان کے ساتھ ایک گھڑا اٹھانے لگے، انپکٹر جمشید

بول اٹھے:

"اوسے اوسے۔ آپ تو واقعی یہ کام کرنے لگے۔"

"تو پھر؟"

"رہنے دیں۔ آپ کے حصے کا کام ہم کر لیں گے۔"

"یہ بھی تو غلط بات ہو گی۔"

"نہیں۔ غلط دھڑا کچھ نہیں ہو گا۔ بس آپ ایک

طرف بیٹھ جائیں۔"

"اچھا۔ لیکن یہ مجھے اچھا نہیں لگے گا۔"

"کوئی بات نہیں۔ آپ بیٹھ جائیں۔"

وہ گھڑے بھرنے لگے۔ ایسے میں ایک نیردار اوسرے

گروہ۔ اس نے چیخ کر کہا:

"اے بوڑھے۔ تو کیوں بیٹھا ہے۔ پل پانی بھر۔"

"پردھیر داؤد گھبرا گئے اور گئے اٹھنے۔"

"نہیں نہیں۔ آپ بیٹھے رہیں۔ یہ کہہ کر انپکٹر جمشید اس

نیردار کی طرف گھٹس:

"یہ بوڑھے ہیں۔ ان کے حصے کا پانی ہم بھریں گے۔"

"یہ نہیں ہو سکتا۔ اسے بھی کام کرنا پڑے گا۔"
 "آپ نے ہماری ڈیوٹی یہی لکھی ہے نا کہ تمام کو خبروں
 کے گھڑے بھر دیں۔"
 "ہاں۔ بالکل۔"
 "بس تو پھر آپ کو نام گھڑے بھرے ہوئے مل جائیں
 گے۔ وہ بولے۔"
 "لیکن اسے بھی کام کرنا ہوگا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ
 یہ کام نہ کرے۔"
 "تو ان کے ذمے کوئی نرم کام لگا دیں۔ یہ کمزور
 ہیں۔ بوڑھے ہیں۔ اتنا ذل نہیں اٹھا سکتے۔"
 "نہیں۔ اسے پانی ہی بھرنا ہوگا۔"
 "دیکھیے۔ میں نے آپ کو بتایا ہے کہ یہ بوڑھے ہیں
 کمزور ہیں۔ خدا کا خوف کریں۔ اور پھر ان کے سنے
 کا سارا کام ہم کرنے کے لیے تیار ہیں۔"
 "نا ممکن۔ اسے اپنے سنے کا کام کرنا ہوگا۔ اور
 یہی کام کرنا ہوگا۔ ورنہ سزا ملے گی۔"
 "رہنے دو۔ ہم۔۔۔ وہ ان کا نام لیتے جیتے رہ گئے، پھر
 جلدی سے بولے۔"
 "میں گھڑے بھر دوں گا۔"

"نہیں نہیں۔ یہ آپ کا کام نہیں ہے۔ ہم آپ کو
 نہیں بھرنے دیں گے۔"
 "اے مسٹر۔ آپ لوگ اپنے گھر میں نہیں جیل میں
 ہیں۔ یہاں آپ کی مرضی نہیں۔ جیل کا قانون چلے
 گا۔ تم لوگ منشیات کے مجرم ہو۔ تم لوگوں کے ساتھ
 کسی قسم کی کوئی نرمی نہیں برتی جائے گی۔"
 "ایک بیڑا لے لو۔ اور انہیں پانی بھرنے پر مجبور نہ
 کرو۔ ابلیسر ہمیشہ سکراتے۔"
 "ایسا۔ امیرا تمہارے پاس کہاں سے آیا۔ تم
 لوگوں کے پاس جو کچھ تھا۔ وہ تو جیلر صاحب کے پاس
 امانت رکھا ہے۔"
 "تم اس بات کو چھوڑو۔ امیرا اپنے سنے کے لیے تیار ہو
 تو بتاؤ۔"
 "اچھا نکالو۔ لیکن اس بوڑھے کے سنے کا کام تم لوگوں
 کو کرنا ہوگا۔"
 "وہ ہم کو رہے ہیں۔ تم غلط نہ کرو۔"
 "اچھا نکالو امیرا۔"
 "۱۲ جونی ۱۲ بات۔ اچھا۔ اس جیل سے نکلنے کی کوئی
 صورت ہے۔ ہم تمہارا مزہ متیوں سے بھر دیں گے۔"

"وہ بعد کی بات ہے۔ ابھی تم لوگ نئے نئے آتے ہو۔
لیکن دیر ہونے کی صورت میں تم لوگ نقصان میں
ہو گئے۔"

"کیا مطلب؟"

"ہماری تمام دولت پر کوئی اور قبضہ کر لے گا اور پھر
اس میں سے آپ کو ہم کچھ نہیں دے سکیں گے۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔ کوئی کس طرح قبضہ کر لے گا؟
تم کہیں رہا کروا سکتے تو چھوڑو۔ یہ میرا گھر اور چلے ہو۔
یہ پانی نہیں بھریں گے۔ ایکڑ جہت سے من بنا کر کہا۔"

"اے۔ تم کس لمحے میں بات کر رہے ہو۔ جانتے
نہیں، یہ جیل ہے۔"

"ہاں! جانتے ہیں۔ یہ جیل ہے۔ جو کہا ہے۔
درست کہا ہے۔"

"تمہارے کس بل نکالنے بڑی گے؟"

"ایسا نہ ہو۔ اسے کس بل نکلاؤ؟"

"کیا کہا۔ وہ چلا آٹھا۔"

"اس پاس کے قیدی اس طرف متوجہ ہو گئے۔
کچھ نمبردار وغیرہ بھی اس طرف بڑھنے لگے۔ ایک نمبردار
نے چیخ کر کہا:

"کیا بات ہے ہائے؟"

"بات کیا ہوئی۔ یہ لوگ نئے نئے ہیں نا۔ کچھ زیادہ ہی
اکڑ رہے ہیں۔"

"ابھی ان کی اکڑ نکال دیں گے۔"

"اچھا تو پھر تم دو دیر سے بے نو۔ اور ہمارا پیچھا چھوڑو۔
نہیں۔ اب پہلے تمہاری مرمت کریں گے۔ پھر اس

بڑھے سے پانی بھرا دیں گے۔ اس کے بعد تم سے دو
دیر سے کیا۔ جتنے تم نے پھا رکھے ہیں، سب وصول
کریں گے۔"

"ارے باپ دے۔ مارے گئے پھر تو؟"

"ابھی کیا ہے۔ ابھی تو آگے آگے مارے جاؤ گے
تم لوگ۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔"

ان کے گرد آئین نمبردار جمع ہو گئے۔ پھر تینوں ایک
ساتھ انٹیکٹر جسٹس پر حملہ آور ہوئے، لیکن اچیل اچیل
کر دھڑکا جا کر رہے۔

"ٹھک۔ کیا ہوا بھائی۔ تم لوگ اتنی دُور کیوں چلے گئے،
ابھی تو مقابلے کی بات کر رہے تھے۔"

ان کے چہروں پر حیرت، ہی حیرت نظر آئی۔ دوسرے

قیدیوں کے تو مڑتے تھے کے کھٹے رہ گئے۔ یہاں کی قید کے دوران شاید ان کے لیے یہ منظر عجیب ترین تھا۔
تینوں نبرد ارٹھے اور اس مرتبہ انھوں نے اپنی پٹلیوں سے خنجر نکال لیے۔

قیدیوں کے چہروں پر خوف دوڑنے لگا۔

"نہ بھی۔ یہ غلط ہے۔ غافل ہے۔ انھوں سے لڑو۔ پروفیسر وائٹ نے گھبرا کر کہا۔

"اور کیا۔ کہیں خنجر لگ گئے تو۔ خان دھان بولے۔

"لیکن انھوں نے جیسے کوئی بات نہیں سنی۔ خنجر توڑتے ہوئے ان کی طرف بھاڑے۔ لیکن جلد ہی قیدیوں نے دیکھا کہ وہ دور کھڑے تھے۔ اور نبرد ار آپس میں گڑبڑ ہو گئے تھے اور اس گڑبڑ ہونے میں ان میں سے وہ کے خنجر لگ گئے تھے۔ ان کی چیخوں نے جیل کی گھبراہٹ کو تھرا دیا۔

"دیکھا۔ میں نے کہا تھا نا۔ کہیں خنجر لگ گئے تو۔ خان دھان ہنسے۔

"پتے نہیں بتاتا ہوں۔ وہ نبرد ار بول اٹھا۔ جو خنجر گئے سے محفوظ رہا تھا اور بے تھارہ اس کی طرف بڑھا۔ جوئی اس نے وار کیا۔ خنجر والا ہاتھ کمر کی طرف مڑتا چلا گیا۔ ساتھ ہی تھان دھان کی ٹھوکر اس کی کمر پر لگی۔ وہ اڑھے

مڑا۔ خنجر کود جا کر گرا۔

خان دھان نے اسی کا خنجر اٹھا لیا۔

"ایک بار چہرہ کوشش کرو۔ وہ بولے۔

اس نے سر گھما کر ان کے ہاتھ میں خنجر دیکھا اور انھیں بند کر دیں۔

جلد ہی دس کے قریب نبرد ار وہاں پہنچ گئے۔ ان کے ہاتھوں میں کلاشن کوفی نہیں۔

"نبرد ار۔ ہاتھ اوپر اٹھا دو۔ وہ بھٹکتی کر دیں گے۔

انھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔ اب اگر وہ لڑائی جاری رکھتے تو دوسرے قیدی زخمی ہو سکتے تھے۔

انھیں جکڑا لیا گیا، چہرہ جیل کے سامنے پیش کیا گیا، ان کی تکلیف ہے تمہیں؟

انپیکٹر تھینڈ نے ساری بات بتا دی۔ ہیرے کا ڈگر جی کر دیا۔ جیلر نے نبرد ار کو گھور کر دیکھا اور بولا۔

"جب یہ کہہ رہے تھے کہ اپنے ساتھی کے جتنے کا پانی بھر دیں گے تو اس میں خدا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ خیر۔ ختم کرو۔ انھیں کوٹھری میں بند کرو۔ وہ انھیں باہر نہ نکالا کرو۔ یہ خطرناک قیدی تھے ہیں۔"

"کیا اس جیل سے نجات کی کوئی صورت نہیں جناب؟"

"کیا مطلب؟ جیلر نے انہیں ٹھکورا۔"

"اگر ہمیں یہاں سے نکال دیا جائے تو ہم آپ لوگوں کے مز موتیوں سے بھر دیں گے۔"

"اتنے موتی ہیں تمہارے پاس؟"

"اتنے سے بھی زیادہ۔"

"اور وہ موتی کہاں ہیں؟"

"وہ - آپ لوگ ان موتیوں کو اس طرح حاصل نہیں کر سکتے - ہمیں باہر نکالنے کی صورت میں ہی حاصل کر سکتے ہیں۔"

"آخر کیسے؟ جیلر بولا۔"

"اس لیے کہ وہ ملک کے لاکھوں میں رکھے ہیں - اور لاکھوں میں سے نکالنے کے لیے صرف مجھے جانا ہو گا۔"

"ہوں - خیر - ہم سوچیں گے - خود کریں گے - شاید کوئی صورت بن جائے - ویسے صرف موتیوں سے کام نہیں چلے گا - میرے کہاں جائیں گے؟ اسی نے کہا۔"

"میرے بھی آپ لوگوں کو دے دیتے ہیں ہم یہاں سے جاتے وقت ان کا ذکر نہیں کریں گے۔ خان رحمان نے کہا۔"

"میں ان بیروں کی بات نہیں کر رہا - کیونکہ تمہارے پاس صرف وہی میرے تو ہوں گے نہیں - اور بے شمار میرے ہوں گے۔"

"اور - ان کے مز سے نکلا۔"

"بھوک - میرے ہیں یا نہیں؟"

"بالکل ہیں۔"

"تب تم تمام میرے اور تمام موتی یہاں لانے کی ترکیب پر غور کرو - ہم تمہیں یہاں سے نکالنے پر غور کرتے ہیں۔"

"اچھی بات ہے - ہم غور کر چکے ہیں - جب تم غور کر چکو تو بتا دینا - ایکڑ جمشید ہوئے۔"

"کیا مطلب - غور کر چکے ہو؟ اس نے چونک کر کہا۔"

"میرا مطلب یہ ہے کہ اسی میں غور کرنے کی ضرورت ہی نہیں - ہمارے اس ساتھی کو آپ یہاں سے اپنے غم اور ملک تک ہانے دیں - بس یہ میرے اور موتی نے سمجھیں گے۔"

"اور - اور ساتھ میں ہمیں بھی چھوڑا دیں گے؟"

"کیا مطلب - کیسے چھوڑا دیں گے؟"

"تمہارے لوگوں کی توجہ کوئی بات نہیں - یہ بلکہ سچر

کو کیا بتائیں گے۔ آخر اس وقت تک تم لوگوں کی حکم شکنی کی خبریں اخبارات میں شائع ہو چکی ہیں۔

"ہاں! یہ تو ہے۔"

"بس تو پھر۔ اس کا حل صرف اور صرف ایک ہے۔"

"چلو پھر وہ حل بتا دینا۔ جو ہے اسی صرف اور صرف"

ایک۔ فاروق نے منہ بنایا۔

"ہم تم لوگوں کو جیل سے نکال دیتے ہیں۔ تم لوگوں کی بگڑ بھیس دوسرے لوگوں کو قید میں رکھنا پڑے گا۔"

"اچھا! ابھی ابھی چوڑی رقم دینا پڑے گی۔ کیونکہ اسی طرح"

"کون انجیل میں رہنا پسند کرتا ہے۔ تم لوگ باہر جا کر"

"اپنی تمام دولتیں لا دو۔ خود کو باطل مانی کر لو۔"

"کنگال بنالو۔ بس اس شرط پر تم لوگ یہاں سے نکل"

"سکو گے۔ ورنہ نہیں۔"

"ہمیں۔ ہمیں یہ شرط منظور ہے۔"

"لیکن ایک بات کا خیال رہے۔ اگر تم لوگوں نے وعدہ"

"خلائی کی تو ہم تمہیں پھر پکڑ کر جیل میں ڈال دیں گے اور"

"پھر تم ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاؤ گے۔ باہر نہیں نکل"

"سکو گے۔ یہاں تک کہ سزا پوری ہونے پر بھی نہیں نکل"

"سکو گے۔"

"لیکن بھئی۔ سزا پوری ہونے پر کیوں نہیں نکل سکیں"

"گے۔ یہ کیا بات ہوئی۔ محمود نے جھٹکا کر لیا۔"

"اس لیے کہ مختلف الزامات لگا لگا کر ہم تعادی سزا"

"میں کی گئی اعداد کو داویں گے۔"

"اور۔ تو یہ بات ہے۔"

"ہاں! اس بات سے۔ جیلر فوراً بولا۔"

"اچھا! جیسے خود کرنے دیں۔"

"خود خود کرو۔ خوب خود کرو۔ خود کرنے کی بے شک"

"اجازت دو۔ ہمیں کوئی جلدی نہیں ہے۔ لیکن اب تم لوگوں"

"کو اس کوٹھری سے نہیں نکالا جائے گا۔ اس لیے کہ تم"

"کے جھگڑا کیا ہے۔"

"جھگڑا ہم نے نہیں۔ خیرادوں نے کیا ہے۔"

"لیکن ہو گا۔ لیکن ہمارے نزدیک مجرم تم ہو۔ ہم نہیں۔"

"یہ کہ کر جیلر چلا گیا۔ خیرادہ بھی انہیں کوٹھری میں بند"

"کرنے چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد وہ سرکوشیوں میں"

"مصرعون ہو گئے۔"

"میرا خیال ہے۔ اب ہمیں یہاں سے نکل جانا پڑا ہے۔"

"ہم نے ان کا پروگرام ٹیپ کر لیا ہے۔ ان کی آوازیں"

"ریکارڈ ہو چکی ہیں۔"

"لیکن جیلر میک آپ میں ہے۔
صرف ایک جیلر کا مسکا باقی ہے۔ وہ ہم مل کر
میں آئے۔"

"تب پھر آج رات ہی عمل شروع۔"

جب رات ہو گئی۔ سب قیدی سو گئے۔ صرف چند
ایک لہڑیوں کے گشت لگانے کی آمادگی باقی رہ گئیں تو ایکٹر
بھٹی نے محمد کے کان میں کہا،
"محمد! چاقو نکالو۔"

محمد نے چاقو نکالنے کے لیے ایڑی صرکائی اور پھر اس
کا اتار دیا رک گیا۔

ہاتھ کا کباڑا

"کی ہوا جی۔ سائپ تو نہیں سواگہ گیا، فادوق نے
اسے سناکت دیکھ کر کہا۔ کوشری میں زبرد کا بلب بل
رہا تھا۔"

"وہ۔ وہ۔ چاقو۔ محمد ہلکایا۔"

"وہ۔ وہ۔ چاقو۔ یہ کیا بات ہوئی بھلا؟"

"چاقو میں ایڑی نہیں ہے۔"

"تو ہم کب کر رہے ہیں کہ چاقو میں ایڑی ہے۔ تم
ایڑی میں چاقو تلاش کرو نا؟ فرزانہ نے جھٹکا کر کہا۔"

"یہی تو مصیبت ہے۔ ایڑی میں چاقو نہیں ہے۔"

"اوہ! اس صورت میں تم ضرور چاقو میں ایڑی تلاش

کرو، فادوق نے برا سا مزہ بنایا۔"

"سروا دیا جیسی تم نے تو۔ اب۔ اب کیا ہو گا؟"

"وہی ہو گا۔ جو منظور خدا ہو گا۔ پروہیرواؤڈ بڑ بڑاتے۔"

"ٹھہر۔ میں ان سلاخوں پر زور لگا کر دیکھتا ہوں۔
لیکن اباجان! یہ تو بہت موٹی ہیں۔ محمود بولا۔
ابجی ہاں! اور آپ انہیں پتلا کر نہیں سکیں گے۔ فادوق
نے فوراً کہا۔

انہیکٹر جمید نے انہیں لٹھوٹا اور پھر سلاخوں کی طرف
بڑھے۔ وہ سلاخوں کو پکڑ کر انہوں نے زور لگانا شروع
کیا۔ لیکن سلاخیں اپنی جگہ سے ٹس سے مس تک نہ ہونے
"نہیں۔ یہ نہیں ٹھری گی۔ محمود۔ یہ کیسے ہو گیا۔
تم ایڑی میں چاقو دکھنا کس طرح بھول گئے؟
"جوتنا دلا تھا۔ اور میں دوسرے جوتے سے چاقو اس
جوتے میں منتقل کرنا بھول گیا۔"

"چلو شکر کرو۔ صرف چاقو دکھنا بھولے ہو۔ جوتا
پہننا نہیں بھولے۔ اگر تم ننگے پاؤں آ جاتے تو بہادر
کیا بنتا۔ پھر تو چاقو جوتے کی ایڑی سے نکلنے کا سوال
ہی نہ پیدا ہوتا۔
"اور اب سوال پیدا کر کے کیا کریں گے ہم؟ فزانہ نے
جھٹاکر کہا۔

"اے۔ یہ تم کیا ٹھہر چکر رہے ہو۔ سو باؤ،
ورنہ صبح کام کرتے وقت اونگھو گے۔ ایک فیروزا نے پاس

سے ٹکڑے ہوئے کہا۔
"نہیں صبح کوئی کام نہیں کرنا ہے۔" انہیکٹر جمید بولے۔
"وہ کیسے؟"

"جیکو صاحب ہم پر بہت مہربان ہیں۔ انہوں نے حکم
دیا ہے کہ ہم سے کوئی کام نہ لیا جائے۔
"میں سمجھ گیا۔ تم لوگوں کو صبح کوٹھری سے نہیں نکالا
جائے گا۔ تم نے باہر کوئی گڑ بڑ کرنے کی کوشش کی
ہو گی۔ یہ تو نہیں سزا ملی ہے۔ سزا۔ کوٹھری سے
باہر رو کر اگرچہ قیدیوں کو کام کرنا پڑتا ہے، لیکن وہ
کھلی فضا میں نکل کر خوش ہوتے ہیں۔
"اب کیا بتائیں۔ ہو گئی ہم سے گڑ بڑ۔"

"کوئی بات نہیں۔ آئندہ نہ کرنا۔ تین چار دن بعد جیلر
صاحب کا دفتر ٹھنڈا ہو جائے گا تو وہ تم لوگوں کو بھی
باہر نکالنے کا حکم دے دیں گے۔
"یہ دیکھیں۔ ہمارے پاس کیا ہے؟" انہیکٹر جمید نے
تھیر جیب سے چند ایسے نکال کر پتیلی پر رکھ کر
اسے دکھائے۔

"اے۔ یہ کیا ہیں؟
"دیرے۔ اسی قدر قیمتی کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔"

پچاس لاکھ روپے کا صرف ایک بیڑا ہے۔ اور یہ تو
دس ہیں۔

”ارے باپ ارے۔ لیکن یہ تمہارے پاس کس
طرح رہ گئے۔ جیل میں آنے والوں کی پہلے ایسی طرح
تلاشی لی جاتی ہے۔“

”تلاشی لے کر تو یہ میرے تم بھی میرے پاس سے
برآمد نہیں کر سکتے۔“ انگریز جیلر نے کہا۔

”اور تم نے میرے مجھے کون دکھائے؟
تم پاؤ۔ تو یہ میرے تمہارے ہو سکتے ہیں۔
وہ۔ وہ کیسے؟“

”میں جیل سے باہر نکال رہا ہوں۔
اس کا کیا فائدہ ہوگا۔ تم لوگوں کو پھر پکڑ دیا جائے۔“

”اگر اور ساتھ میں میری بھی ضمانت آئے گی۔“

”ہم تمہیں بھی اپنے ساتھ لے جائیں گے۔“

”کیا مطلب۔ ساتھ لے جائیں گے۔“

”اں اور کیا۔ میرے پاؤں تو تم کو روک رہی ہو جاؤ۔“

”یہ ملازمت کرنے کی کیا ضرورت رہ جائے گی۔“

”لیکن پولیس میرے پیچھے پڑی رہے گی۔“

”نہیں پڑی رہے گی۔ تمہیں یہاں سے دور رکھ دے گا۔“

ایک شہر میں بھج دیں گے۔

”لو میرے ربوی بچے۔“

”انہیں بھی ساتھ لے جانا، روکا کس نے ہے۔“

”میں اس وقت قدموں کی آواز ابھری۔ اور فریاد تھمر
کھینے لگا، کیونکہ جیلر نے اس طرف چلا آ رہا تھا۔“

”ارے باپ ارے۔ اب تو میں کھسک بھی نہیں سکتا۔
کھسکنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ جی ریم نے
تمہیں روک دیا تھا۔ تم نہیں دو سکے تھے، ارے پاس۔
وہ سبک دے۔“

”ارے تو ان پیروں کو تو اتار دیکھ لیں۔“

”کوئی بات نہیں۔ ہم ذرا جیلر کے منہ میں پانی دیکھ
لیں۔“ انگریز جیلر نے سبک دیا۔

”میں جیلر نے ایک آگیا۔“

”تم یہاں کیا کر رہے ہو؟“

”ان لوگوں نے روکا تھا میرے۔“

”اُسکے گیموں تھے۔ رات کے وقت کسی قیدی کی کوئی بات
سننے کی اجازت ہے یہاں؟ وہ فرمایا۔“

”نہیں میرے۔ نہیں ہے۔“

”پھر تم یہاں کیوں آئے۔ کیا میرے تمہارے؟“

جی بارو! اس نے فوراً کہا۔

”تو میرا بارو! اب غشت پر جاؤ۔ صبح تم سے جٹ لوں گا۔ اگر مارے قیدیوں تکہ تھادی چکیں نہ پہنچیں تو میرا نام بارو نہیں!“
لیکن آپ کا بلوا نام تو ابرار بارو ہے۔ فاروق نے گویا یاد دلایا۔

”تم چپ رہو جی“ وہ غویا۔

”بچ۔ جی بہتر“ اس نے کانپ کر کہا۔

نہروار نے وہاں سے دوڑ نکال دی۔ اب جیلر ان کی طرف تڑا اور پھر زور سے چوکا۔

”اوسے پر کیا؟ اس کی نظریں اشیشی پر جمی تھیں۔

”یہ میرے ہیں مسٹر جیلر۔ آپ کے نہروار کو دکھا رہے تھے۔ انھوں نے کہا۔

”لیکن کیوں؟“

”اس جیل ہے باہر نکالنے کا معاوضہ اسے دکھایا تھا ہم نے“ وہ بولے۔

”لیکن ایہ میرے تمھارے پاس آتے کہاں سے؟“

اپنے تھلائی بیٹے والوں سے بلو چھیں۔

”وہ تو میں صبح پلوچوں گا۔ تم اپنی بات کرو۔“

”بس یہ میرے ہیں۔ قریباً چار کروڑ کے ہیں۔ آپ نے پس اور ہمیں۔ جاں سے باہر نکل جانے دیں۔“

اب اسنے سے بھی نہیں پھوٹ سکے۔ تم۔ اور ان ہیروں کا کیا ہے۔ یہ تو میں تم سے ابھی لے لیتا ہوں۔
لہذا میرے مجھے دے دو۔ اس کے بے تابانہ انداز میں کہا۔
”کیا کریں گے ان کا۔ آپ کے لیے بے کار ہیں۔“
خان دھان ہلے۔

”اور تم کو خری میں رہ کر ان کا اپار ڈالو گے کیا۔ جیلر نے جل کر کہا۔

”کیا کہا۔ ہیروں کا اپار۔ جتنی دام۔ فاروق نے غمخس ہو کر کہا۔

”کیوں۔ کیا ہوا۔ کیا یہ کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔“
محمود نے اسے گھورا۔

”کیا مطلب؟ جیلر زور سے اچھلا۔ اس کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔

”کیا بات ہے؟ آپ کس بات پر حیران پریشان اور خوفزدہ ہیں؟“ فاروق نے فوراً کہا۔

”کک۔ کچھ نہیں۔ ایک بات یاد آگئی۔ میں ابھی آتا ہوں۔“

اس نے کہا اور پھر تیز تیز قدم اٹھاتا چلا گیا۔

"ناول کا نام ہو سکتا ہے۔ یہ بعد میں کرے حضرت
زور سے چونکے تھے۔ اس کا مطلب ہے۔ یہ ہمارے
بارے میں سب کچھ جانتے ہیں۔ ہمارے کاندھوں کی
کہانیاں جو لوگ پھاڑتے رہتے ہیں، یہ ان کو بھی خود
سے پڑھتے ہیں۔ لہذا فادوق کے اس جملے کے بارے
میں انہیں معلوم ہو چکا۔ اب تم دیکھ لینا۔ یہ عظمت
نہیں آئیں گے۔"

"نہیں آتے۔ نہ آئیں۔ ہمیں تو اپنا کام کرنا ہے۔"

"لیکن ہم اپنا کام کسی طرح کریں۔ نمود کے چاقو کی

غیر حاضری نے کام خراب کر دیا ہے۔ پروفیسر وادو بولے۔

"اب ہمیں جلد از جلد کچھ نہ کچھ کرنا چاہیے، ورنہ

کہیں ہم اس کوٹھری میں ہی نہ رہ جائیں۔"

اچانک انہوں نے مل کر شور مچانا شروع کر دیا۔

کئی نبردوار دوڑ کر ان تک آئے۔

"کیا بات ہے۔ کیوں شور مچا رہے ہو؟"

سلاخوں سے آگے۔ کیونکہ وہ تیری طرح لوٹ پوٹ ہو

رہے تھے۔ اسی طرح لوٹ پوٹ ہوتے ہوئے۔ اچانک

ایک بچہ کا ہاتھ سلاخوں سے باہر نکلا اور انہوں کے

ایک نبردوار کی ایک ٹانگ بکڑ لی۔

"اوسے اوسے۔ یہ کیا؟"

جلدی سے کوٹھری کا دروازہ کھول دو۔ ورنہ ٹانگ

کا ٹکڑا ہی جاتے تھے۔

"ٹانگ کا ٹکڑا فادوق نے بارے حیرت کے کہا۔

"ان جیسی۔ آنکھوں کی کڑکڑی میں بہت کام کی چیز

ہے۔ نمود مسکرایا۔

"ہمارے پاس چابی نہیں ہے۔"

"تو اپنے ایکٹر کو بلاؤ۔ ورنہ تصادی ٹانگ نہیں

بھونٹے گی۔"

"اوسے میری جان بکلی جا رہی ہے۔ یہ۔ یہ اس

شخص میں آخر کتنی طاقت ہے۔ اس زور سے بیٹھ رہا

ہے۔ گویا میری ٹانگ کا قہر ہی جاتے گا۔"

"بھلا ایسا ہے۔ پکارتے کے کام آئے گا۔ فادوق

نے کہا۔

باہر موجود دوسرے نبردواروں نے اور خود اس نے

ٹانگ پھڑانے کی کوشش شروع کر دی۔ وہ زور لگا لگا

کر تھک گئے۔ مگر ٹانگ نہ چھوٹی۔

"اس کے ہاتھ پر کوئی چیز مارو۔ ایک نبردوار نے

چلا کر کہا۔

"اوسے ان : یہ ٹھیک رہے تھے۔"

"کیا شاگ ٹھیک رہے گا۔ اگر وہ چیز میری ٹانگ پر لگ گئی تو میری تو نکل جائے گی جان۔ اس خبردار نے کہا جس کی ٹانگ قابو میں تھی۔"

"نہیں۔ ایسا نہیں ہو گا، تم فکر نہ کرو شیوے۔"

فورا ہی ایک کڑی لائی گئی۔ ایک خبردار نے اس کو ایک سر سے پار سے پکڑ لیا۔ اور لگا انیکٹر بمب کے لٹھ کا نشانہ بننے۔

"دیکھو جی۔ فورا سوچ سمجھ کر نشانہ لینا۔ کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔ ایسے میں محمود نے چپک کر کہا۔"

"خاموش رہو۔ ابھی اس کے لٹھ کا کھانڈا ہو جائے گا۔"

"ہمیں بھی دکھا دینا۔ فرناز بول اٹھی۔"

"کیا چیز ہے پروفیسر دادو بے خیالی کے عالم میں بولے۔"

"کہاڑا۔ اور کیا؟"

"عد ہو گئی۔ تم بھی کیا کچھ دیکھتے دیتے ہو؟"

"کیا کیا جائے۔ مجبوری ہے۔"

ادھر کڑی وال لٹھ بلند ہو چکا تھا۔ وہ شخص پوری طرح

ان کے لٹھ کا نشانہ لے چکا تھا۔ ان کے دل بھی دھک دھک کرنے لگے۔ اچانک کڑی وال لٹھ پورے زور سے نیچے آیا۔

اور پھر ایک تیز ترین چرخ بھیل کی فضا میں گونجی۔

پھول

اور یہ چچ تھی اسی نیروار کی جس کی ٹانگ پکڑی ہوئی تھی۔
 انیکڑ جھید سے تو صرف اتنا کیا تھا کہ جو نہی نکڑی کیچے آتی
 تھی۔ اپنا ہاتھ بٹا لیا تھا اور دوسرے ہاتھ سے اس کی
 دوسری ٹانگ پکڑی تھی۔ لہذا صاف ظاہر ہے۔ نکڑی اس
 کی ٹانگ پر لگی تھی۔ وہ چچ نہ آتا تو کیا کرتا۔
 "اے باپ دے۔ بیڑا غرق کر دیا۔ میں تو پہلے
 ہی گرا رہا تھا۔ نیروار نے کہا ہے۔
 "تم نہیں۔ ہم کہہ رہے تھے۔ محمود نے تمہارا ہاتھ دلا دیا۔
 "اور اب۔ اب اس نے دوسری ٹانگ پکڑ لی ہے۔
 "ہم بھی بے وقوف ہیں۔ اس کے سر پر ڈنڈا نیول
 لہیں مارتے۔ سر پیٹے گا تو ٹانگ خود بخود چھوڑ دے گا۔
 "یہ کوشش اور بھی زیادہ نقصان دہ ہو گی۔ انیکڑ جھید
 بھنی دیے۔

"اب یہ ہمیں ڈرانے کی کوشش کر رہا ہے۔ ٹوٹی۔
 اس کے سر پر ڈنڈا پھنسنے لڑو سے مارو۔ ڈنڈا نہیں لگے
 گا تو بھی ہمارا کیا نقصان ہو گا۔ جیسے کہ پہلے ہم نقصان
 اٹھا چکے ہیں۔ ذرا بھی نیروار نے کہا۔
 "بالکل ٹھیک۔"

اب اس نے ان کے سر کا نشانہ لیا۔ لیکن درمیان
 میں سڑنیں تھیں اور اس حالت میں نشانے پر مارنا آسان
 کام نہیں تھا۔ تاہم وہ یہ کام کرنے کے لئے تیار ہو
 گیا۔ ادھر انیکڑ جھید اور خان رحمان کی نظریں ٹکرائیں۔
 اور انھوں نے خان رحمان کو اشارہ کیا۔
 جو نہی نکڑی والا ہاتھ اندر آگیا۔ انھوں نے اپنا سر
 ایک طرف جھکا دیا۔ دوسری طرف سے خان رحمان
 نے اس ہاتھ کو کلائی سے پکڑ لیا۔ اور ڈنڈا محمود نے
 انیکڑ دیا۔
 "اب ذرا اس بازو پر یہ ڈنڈا رسید کرو۔ دیکھنا اسے
 کتنا جڑا آئے گا۔ لیکن ڈنڈا ذرا آہستہ مارنا۔ کہیں بازو
 ٹوٹ ہی نہ جائے۔ انیکڑ جھید بولے۔
 محمود نے نیروار کے بازو پر ایک ڈنڈا درمیان میں رسید
 کر دیا۔ اس کے سر سے چچ نکل گئی۔ اب دو نیروار

ان کے قابو میں آ چکے تھے۔
 "اب اس کوٹھری کا دروازہ کھلاؤ۔ ورنہ ان دونوں
 کی جان نہیں چھوٹے گی۔"
 "خیرے۔ تم ذرا جا کر انپکٹر صاحب کو بجا لو۔ وہ
 کام خراب ہو جائے گا؟ پہلے فیصلہ کرنے کا۔"
 اور خیرے نے موٹر لگا دی۔ جلد ہی انپکٹر دوڑتا ہوا
 ان کی طرف آیا۔
 "یہ کیا ہو رہا ہے؟"
 "اسی کوٹھری کا دروازہ کھلو۔ نہیں تو ہم انہیں بگڑی
 طرح ماریں گے۔"
 "دماغ تو نہیں چل گیا؟ انپکٹر غرایب۔"
 "کیوں جناب، اس میں دماغ خراب ہونے کا کیا بات
 ہے؟" محمود نے حیران ہو کر کہا۔
 "مجھے کیا ضرورت ہے کہ میں تالا کھوں۔ میں پستول کے
 ذریعے تم دونوں کو شوٹ کر سکتا ہوں یا کم از کم زخمی کر سکتا
 ہوں۔ اس صورت میں تم ان کی ہانگ اور بازو چھوڑ دو
 گئے۔ اس نے جلد ہی جلدی کہا۔
 "ضرور۔ یہ جی کر کے دیکھ لو۔ کوئی حسرت نہ رہ جائے
 لیکن ایک بات سن لو۔ گوئی اگر تمہارے اپنے فیصلہ کے

لگ گئی تو ہمیں الزام نہ رہے گا۔ اور اس بات کو کہ
 و۔ ہو گا یہی۔"
 "ایسا نہیں ہو گا۔ اس لیے کہ میں بہت نزدیک سے
 گوئی پھانسیں گا۔"
 "اپنا شوق بھرا کر لو۔ تم دونوں میں سے کم از کم
 ایک دوسرے جان ہانسنے کے لیے تیار ہو جائے۔"
 "نہیں۔ دونوں مادے خوف کے پڑا ہے۔"
 "تھوڑا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا ہے؟" وہ۔ گوئی
 "جیسے ہی طرح لگے گی۔ سب کو میں نشانہ ان کا لوں گا۔"
 "لیکن جناب پہلے بھی ایسا ہو چکا ہے۔ کوئی نے نشانہ
 ان کا ہا تھا اور خود اپنا ہاتھ پھنسا بیٹھا؟"
 "یہ اتنا ہی تھا۔ اور تم بھی جو اپنی ہانگ پھنسا بیٹھے،
 اب دیکھو۔ میں کسی آسانی سے تم دونوں کو پھینکا ہوں۔"
 "یہ تو کر اس نے پستول نکال لیا۔ اور انپکٹر جھپٹ
 کے سر کا نشانہ پھینکے ہوئے بولا۔
 ابھی بھی وقت ہے۔ ان دونوں کو پھوڑ دو۔ ورنہ
 گوئی سر کے پار ہو گی۔"
 "جلد اچھا ہے۔ آئیے انہیں تو بچ جائیں گی۔ خادوقی نے
 خوش ہو کر کہا۔

"مثلاً یہ لڑکا پاگل ہے۔ ہر وقت لوث پٹانگ باتیں کرتا دھتا ہے۔"

"آپ اس کی باتوں پر نہ جاتیں، اپنا کام کریں۔" انگریز ہمیشہ مسکراتے۔

"میں تمہارے سر پر گولی چلا رہا ہوں۔ اور اس سے پیٹے وارنگ دیتا ہوں۔ ان دونوں کو چھوڑ دیا جائے۔"

اس صورت ہم کوئی استقامت کا ردوائی نہیں کریں گے۔
"نہیں۔ ہم انہیں صرف اس صورت میں چھوڑیں گے، اگر تم کوٹھری کا دروازہ کھول دو۔"

"دروازہ نہیں کھلے گا۔ اس نے سخت لمحے میں کہا۔"

"نہیں کھلے گا تو ہم بھی ان کے ہاتھ پر نہیں چھوڑیں گے۔
"کوئی ہاروا نہیں۔ تم ان کے ہاتھ پر نہ چھوڑو۔"

پس اس سے کیا فرق پڑ جائے گا؟

"ان کی عذاب میں جان انہی رہے گی؟"

"تو انکو رہے۔ ہم ایسے ڈوٹھا دم اور دھک لیں گے۔"

"تم نے سنا۔ یہ صورت کیا کر رہے ہیں؟"

"یہ۔ یہ آپ کیا کر رہے ہیں صرف؟"

"ہاں! اب ہم تم دونوں کی خاطر انہیں کوٹھری سے نکالنے سے رہے۔ پتا بھی ہے۔ ابھی اچھی جیلر صاحب

رہاں سے رخصت ہوئے ہیں اور رخصت ہوتے ہوئے انہوں نے کیا بتایا ہے؟"

"گنگ۔ کیا بتایا ہے؟"

"یہ کہ یہ حضرت استقامت خطرناک ہیں۔ اس قدر خطرناک کہ ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔"

"آخر کیوں نہیں سوچ سکتے؟"

"اس لیے کہ ان کے نام انگریز، محمود، خادق اور فرزاد ہیں اور ان کے ساتھی بھی عام لوگ نہیں ہیں۔ پروفیسر رافہ اور خان رحمان ہیں۔"

"کیا ان وہ سب پوری قوت سے چلائے؟"

ان کے چہروں پر موت کا خوف چھا گیا۔ آنکھوں میں بھی بے پناہ خوف نظر آیا۔ اور چہروں سے انگریز اور

اس کے ساتھی اسی طرح غائب ہو گئے، جیسے گدھے کے سر سے بیگ۔ اور کوٹھری کی سلاخوں سے صرف ڈھ

دونوں گئے رہ گئے۔

"اب اگر ہم چاہیں تو تمہیں ختم کر سکتے ہیں۔ یہ تم نے دیکھ ہی لیا ہے کہ تمہارے ساتھی تم دونوں کو موت

کے منہ میں چھوڑ کر پلے گئے ہیں؟"

"ہاں! ٹھیک ہے۔ ہمیں اپنی اوقات کا پتا چل گیا ہے۔"

”چلو شکر ہے۔“ لو اب ہم قہیں چھوڑ دے۔“ تم
 ہمارے لیے کوٹھری نہیں کھولتے، نہ کھولو۔“
 ”ہمیں افسوس ہے۔ ہمارے پاس چابی واقعی نہیں ہوتی۔“
 ان میں سے ایک نے کہا۔
 ”ارے کوئی ہتھوڑا وغیرہ تو لا کر دے سکتے ہو، انیسٹ
 جمیڈ لے بیٹھا کر کہا۔“
 ”اوہ ہاں، اس قسم کی کوئی چیز ہم لا کر دے سکتے ہیں۔“
 لیکن آپ لوگ اگر یہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو جاتے
 ہیں تو ہمیں بھی ساتھ لے جائے گا۔ بے شک۔ ہمیں جیل
 بھجوا دیجیے گا۔ اور یہاں کا جیلر تو ہمیں زندہ دفن کرا
 دے گا۔“

”ٹھیک ہے۔“ انھوں نے کہا۔

دونوں نے روڑ ٹکا دی۔ پندرہ منٹ بعد وہ ایک
 بڑا ہتھوڑا اور چھ نو سترے اوزار لے آئے۔
 ”کیا خیال ہے۔“ ان سے کام چل جاتے گا؟
 ”ہاں! زبردست امید ہے۔“ انھوں نے کہا اور ان کی مدد
 سے تالا کھولنے کی کوشش شروع کر دی۔ وہاں اب کوئی
 تھوڑا نہیں تھا۔

”یہ دوسرے تھوڑا نظر نہیں آ رہے۔“

”اس بات پر تو ہم دونوں بھی حیران ہیں۔“
 ”اور جیلر صاحب تو پہلے ہی غائب ہو چکے ہیں۔“
 ”خیر۔“ دیکھتے ہیں۔ پہلا مسک تو کوٹھری سے نکلنے کا ہے۔
 ”اگر تالا نہیں ٹوٹتا تو اس ہتھوڑے سے دیوار میں نقب
 تو لگائی ہی جا سکتی ہے۔“ فاروقی نے گھبرا کر کہا۔
 ”ہاں! یہ بھی کریں گے۔“ اگر تالا نہ ٹوٹا۔ فکر نہ کرو۔“
 ”ہم کوئی اور چیر تلاش کرتے ہیں۔ ایک تھوڑا بولا۔
 ”لیکن تم فرار نہ ہو جانا۔ فرار نہ ہونا اعداد سے متاثر
 نہیں ہے گا۔ ہم تم دونوں کی پوری مدد کریں گے۔“
 ”نہیں فرار ہوں گے۔“ ثانی نے کہا۔
 ”وہ کوشش میں لگے رہے۔“ تھوڑی دیر بعد دونوں تھوڑا
 آئے تو ان کے ہاتھوں میں دو عدد چھوڑے تھے۔
 ”جیسی دوا۔“ یہی لگیا کام۔ ان کی مدد سے دیوار توڑنا
 آسان ہو گیا ہے۔“
 اب انھوں نے تالے کو پھوڑ کر دیوار توڑنے کی
 کوشش شروع کی۔ آخر دیوار میں۔ سوراخ بننے لگے اور
 وہ باہر نکلنے کے قابل ہوئے۔
 ”خدا کا شکر ہے۔“ ہم تو پچھلے خود کو جیل میں محسوس
 کرنے لگے تھے۔“ فاروقی نے جلدی سے کہا اور دوسرے

مسکراتے گئے۔

اس دوران آس پاس کی کوشریوں والے بھی اس کیس کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے رہے تھے۔ جو دیکھ نہیں سکتے تھے وہ سن رہے تھے۔ ٹوٹی ٹوٹی باتیں باہر نکلتے دیکھا گیا، ان سب نے شور مچا دیا۔

"ابھی بھی باہر نکالیں۔ ابھی بھی باہر نکالیں۔"

"عاموش! آپ سب کو باہر نکالا جائے گا۔ ٹکڑے کریں۔ پٹیل مجھے ایک دو خون کرنا پڑی گئے۔ تاکہ وہ آجائے۔ اس طرح ہم جلد فارغ ہو جائیں گے۔ وہ سادھی رات تو دورانی توڑنے میں گزار جائے گی اور اس دوران ہیلر صاحب اپنے غنڈوں کو لے کر آئے تو نئی صورت حال ہوگی۔ آپ لوگوں کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ لہذا جو ہم کر رہے ہیں۔ ابھی کر سکتے ہیں۔ ہم آپ کو پٹیل آپ کے گھروں میں بھیجیں گے۔ ہم بعد میں جائیں گے۔"

ان کی اسی تقریر نے بہت اچھا اثر کیا۔ اور پھر انہوں نے جیل کے دفتر کا فون دیکھا، لیکن صرف فون کا بیٹ تھا۔ اسی میں آواز وغیرہ نہیں تھی۔ گویا صرف دکھاوا تھا۔ کیونکہ آخر۔ جیلر کے دفتر میں فون بھی تو

ہوتا ہے۔ آخر انہوں نے وہاں سے نکل کر لائی دور جا کر ایک زمیندار کی کوشی سے فون کیا۔ اس ملائے اور آس پاس کی کوشی کے بارے میں بھی اسی زمیندار سے پوچھ کر اکرام کو بتایا اور جیل میں آ گئے۔

"آپ لوگوں کو ایک گھنٹے تک مزید انتظار کرنا پڑے گا۔ حد آنے میں ایک گھنٹہ گئے گا۔"

"لیکن ایک گھنٹے میں تو کئی کوشریوں کی وادیاں ان پھاڑوں سے ٹوٹ سکتی ہیں۔"

"ابھی بات ہے۔ چلو جی۔ شروع ہو جاؤ۔ انہوں نے فون اور بندے سے کہا۔"

وہ دونوں پھاڑوں سے برساتے گئے۔ جیل میں اب نہ تو ایکڑ تھا، نہ جیلر اور تمام نذرانہ بھی غائب تھے۔ کالافات وغیرہ بھی وہ ساتھ لے گئے تھے۔ اس کا مطلب تھا، ان کے نام سننے ہی انہوں نے جاگنے کی کی تھی۔ "تھارے مادل والے جیلے نے کام خراب کر دیا۔ محمود نے جھٹائے ہوئے انداز میں کہا۔"

"وہ کیسے۔ اسی جیلے سے تو ہمارا کام آسان ہو گیا ہے۔ فاروقی نے مسکراتے ہوئے کہا۔"

وہ کیسے۔ خدا وضاحت کرو۔

"جی ہاں! آسانی سے کوٹھری سے نکل آئے ہیں اور اب باقی بھی نکل آئے والے ہیں۔ ان لوگوں کی موجودگی میں ہم اس قدر آسانی سے تو نہ نکل سکتے" اور اب ان لوگوں کی تلاش میں جو نکلتا بڑے کاغذ پر لکھا تھا۔

"تو کیا ہوا۔ اور معاملات میں ہم تلاش میں نہیں تھے۔ دیکھتے! اس نے خود کہا۔

"ہاں! یہ جی ہے" جی چھوڑو۔ اس میں غارتی کا بھی کیا قصور۔ اب اسے کیا معلوم تھا کہ یہ لوگ اس کے اس خاص جگہ سے بھی واقف ہوں گے۔ خان رحمان نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں اور کیا۔ یہودی سرور اور مسکرائے۔

"پلیس خیر۔ آپ کہتے ہیں تو جانے دیتے ہیں، ہاں ہم اور اسے جانے دیں، محمود بولا۔

"اور ہو۔ تم اور مجھے نہ جانے دو۔ ذرا روک کر دکھانا۔"

"دیکھو گئی۔ یعنی کہ۔ ہم کیوں روک کر دکھائیں۔ جہاں جانا چاہتے ہو۔ جاؤ۔ فرزانہ نے تھلا کر کہا۔

"آخر انکرام پولیس کی گاڑیاں لے کر وہاں پہنچ گیا۔ اس وقت تک صرف دو کوٹھریوں کی دیواریں توڑی جا سکی

تھیں۔ اب جدید آلات کے ذریعے تھالے توڑے گئے اور تمام قیدی باہر نکال لیے گئے۔ ان کے نام پتے نوٹ کیے گئے، پھر انکرام کے ذمے یہ کام لگایا گیا کہ وہ گاڑیوں میں انہیں ان کے گھروں تک پہنچائیں۔ خود وہ وہاں باہر کی کے ساتھ ٹھہر گئے۔ اور تمام جگہوں سے انکلیوں کے نشانات اٹھاتے گئے۔ خاص طور پر جیل کا جو دفتر بنایا گیا تھا۔ اس سے۔ کیونکہ وہاں جیل اور انکلیز بٹھنے تھے۔ اب خبروں کی تلاش میں خاک چھانٹتے پھر رہے۔

یہ کوئی شک۔ غارتی نے منہ بنایا۔

"کیا کیا جاسکے۔ مجبور کی ہے۔ ہمارا کام ہی یہ ہے۔"

انکلیوں کے نشانات اٹھانے کے دوران فرزانہ کی نظر ایک ایسی ٹھہرے پر پڑی۔ اسی میں سگریٹ کے چند ٹکڑے بھائے گئے تھے۔ اس نے نے نیالی میں۔ ان ٹکڑوں کو سونگا۔ پھر بولی:

"ان ٹکڑوں کو بھی سنبھال کر رکھ لینا چاہیے۔ شاید تجرم کا سراغ ان سے مل جائے۔"

لیکن یہ کوئی خاص سگریٹ نہیں ہیں۔ ہزاروں آدمی ان سگریٹوں کو پیستے ہیں:

"لیکن ہمارے کسی سے متعلق کوئی آدمی بیٹا ہی نہیں
تو ہم اسے شک کی دود میں لے کر تحقیقات تو کر سکیں
گے گا۔ فرزانہ لے گیا۔"

"ہاں! یہ ٹھیک دیکھو۔ وہ بولے۔"

ان سٹرکوں کے ٹکڑوں کو محفوظ کر دیا گیا۔ باقی دفتر
کی وہ پوری طرح معائنہ کر گئے تھے۔ لیکن۔ جو وہاں کے
کے لڑکی پر اور میز کے نیچے۔ آخر انہیں ایک اور کام کی
چیز ملی۔ یہ تھی۔ وہ چیز جلدی میں کہیں گے کہ میز کے
پچھے پٹی لگی تھی۔ وہ وہ دس کو بکس۔ پھوٹے۔ اور
وہ چیز تھی۔ گلاب۔ یا ایک پھول۔ مصنوعی پھول۔ سوکھت
کے کار میں دکھایا جاتا ہے۔

انہوں نے اس پھول کو بھی محفوظ کر لیا۔

"کیا ہم نے یہ پھول کسی کے کار میں رکھا ہوا دیکھا ہے؟
فرزانہ بڑبڑاتی۔"

"کچھ یاد نہیں آ رہا۔ محمود بولا۔"

"اگر نہیں دیکھا تو اب دیکھ لیں گے۔ افدونی مسکرایا۔"

"عجیب! آتھی ہو۔ کیسے دیکھ لیں گے۔ اب یہ مجرم کے
پاس نہیں۔ ہمارے پاس ہے۔"

"بھئی اگر وہ کوٹ کے کار میں پھول لٹکائے گا عادی

ہے۔ تو دوسرا لٹکائے گا۔"

"اس سے یہ بات کسی طرح ثابت ہو گی کہ یہ پھول
بھی اسی کا ہے۔"

"کر لیں گے ہم کچھ جان کر ثابت؟"

"یہ تو مشکل ہے۔ ہم لوگ کچھ جان کر کچھ ثابت نہیں
کر سکتے۔ جو بات ہوتی ہے۔ اسی کو ثابت کرتے ہیں۔
دیکھا جائے گا۔"

اور پھر وہ بھی وہاں سے رخصت ہوئے۔ اس جگہ کچھ
مادہ ہانس وائے پھوٹ دیے گئے۔ بات کو ہی انہوں نے
پریس کانفرنس بلائی اور تمام حالات رپورٹوں کو سننا دیے۔
دوسرے دن کے اخبارات میں اس جیل کی کہانی پوری تفصیلاً
کے ساتھ شائع ہوئی تھی۔ لیکن وہ ابھی پوری طرح خوش
نہیں تھے۔ اگرچہ اخباری خبروں کے بعد انہیں مبارک باد
کے فون پر فون آ رہے تھے۔ وہ خوش کن طرح ہوتے۔
ابھی مجرم آزاد تھے۔ کوئی نئی دولت بھی ان کے قبضے میں
تھی۔ صرف مصیبت زدہ لوگ اپنے گھروں کو پہنچے تھے۔
ویسے یہ بھی کچھ کم بات نہیں تھی۔ ان گھروں میں تو خوشیاں
ہی خوشیاں پھیل گئی تھیں۔ دوسری صبح وہ گھر سے باہر نکلے
وہی تھے کہ وجہ میران کی طرف بڑھا نظر آیا۔

"میں آپ لوگوں کو نیک کی بات دیتے آیا ہوں۔"

"ابھی اپنی نیک بات مختصر رکھیں۔ ہمارا کام کھل نہیں ہوا۔"

"ابھی ہمیں آپ کی اور دوسروں کی دولت بھی دہانی دینا ہے۔"

"اور یہ اسی وقت جو گناہ مجرم پر کرا جائے گا۔"

"خیر۔ آپ کی مرضی۔ اس نے سیکرا کر گیا۔"

"اور وہ آگے بڑھ گئے۔"

"ہم کہاں جا رہے ہیں؟" جان فرزا دیواری

"مجرموں کی تلاش میں، جو سکرستے۔"

"لیکن کہاں؟" اس کے لیے میں چرت تھی۔

"یہ تم بتاؤ۔"

"صرف میں یا یہ دونوں بھی؟"

"یہ دونوں بھی۔ انھوں نے کہا۔"

"کیا بتانا ہے۔ ہم تم نہیں کے؟"

"مجرموں کی تلاش میں ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"اس پر غور کرنا ہو گا۔ ویسے وہ راج ساہو۔ کیا واقعی

راج گتا تھا؟"

"نہیں۔ اسے تو سلوم ہی نہیں تھا۔ کہ اسے۔ ہم

اس عدالت کو تو بھول ہی گئے۔ ٹوٹی اور شیدا ہمیں اس عدالت

تک تو لے جا رہی تھیں۔ جو سکتا ہے۔ ہمیں وہاں

سے بھی انھیں کے نشانات مل جائیں۔ راج ساہو کے انھوں

میں دستانے نہیں تھے۔"

"بالکل ٹھیک۔ بات شاید ہم پر امید مولو ہو گئی تھی۔"

"انھوں نے ٹوٹا کڑی کا رخ بدلا۔ دفتر پہنچے۔ انعام

کو ان دونوں کو لانے کی ہدایت کی۔ جلد ہی وہ دونوں آ

گئے۔ کافی پریشان لگ رہے تھے۔"

"یہ کیا جناب۔ ہمیں تو حالات میں دکھایا ہے۔"

"کی اہمال تو یہی کرنا ہو گا۔ عدالت میں ہمیں کمرے

کے بعد دوسرے معاف گواہ کے طور پر تم لوگوں کو روک لرایا

جائے گا۔ تم فکر نہ کرو۔ اس پر بتاؤ۔ عدالت میں کوئی

تعلیمت تو نہیں؟"

"نہیں۔ تعلیمت کوئی نہیں؟"

"ہمیں پھر پڑ سکوں رہو۔ بہت جلد تم دونوں اپنے گھر

جا سکو گے۔ لیکن اس وعدے کے ساتھ کہ آئندہ فائدہ کی راہ

تم جرائم پیشہ زندگی پر گزریں گے۔"

"بالکل۔ آپ بے فکر رہیں۔ ہم اب مجرم کے نزدیک تک

نہیں پہنچیں گے۔"

"شکر۔ یہی تم ہمیں جیل کی اس عدالت تک لے جا سکو

گئے۔ جہاں راج ساہو بیٹھا رہا ہے۔"

"جی ہاں! کیوں نہیں۔ جیل کے پچھلی طرف ہی وہ کمرہ
موجود ہے۔ جسے عدالت کا کمرہ بنایا گیا تھا۔ وہ تو یہ لوگ
بند گاڑی کو توڑ کر ادھر ادھر چکر دیتے کے بعد جیل میں
لاستے ہیں۔ تاکہ قیدیوں کو یہ محسوس نہ ہو کہ یہ سب کچھ مصنوعی
ہے۔" غوثی نے کہا۔

"اوہ اچھا۔ تو پھر چلو۔ خدا اسی کمرے کو بھی دیکھ آئیں۔"
انکیتو ہمیشہ ہونے لگا۔

انھوں نے باہر چل کر بھی ساتھ لے لیا۔ اور عدالت خانے
کمرے میں آئے۔ اسی کمرے سے جی انکیتوں کے نشانات
لیے گئے۔ پھر وہ واپس دفتر پہنچے۔ اکرام کو قہر نشانات
دیتے ہوئے انھوں نے پوچھا:

"اب تک انکیتوں کے کچھ نشانات ریکارڈ میں سے ملے؟"
"جی ہاں! تین نشانات تو مل ہی گئے ہیں۔ اور یہ نشانات
ہیں۔ راجہ، گوتھی اور دو گاکے۔ انھوں نے سزا یافتہ ہیں۔ اور
بہادری اطلاعات کے مطابق۔ اب یہ لوگ شریفانہ مندرگیاں
گزار رہے ہیں۔"

"بہت خوب! تب تو بن گیا کام۔ آؤ چلتے انھی کو
گرفتار کیا جائے۔"
"تو کیا وہ اب بھی گھروں میں مل جائیں گے۔ وہ تو

ادھر ادھر چھپے ہوئے ہوں گے۔ اکرام نے کہا۔

"نہیں۔ ان لوگوں کو یہ تو معلوم نہیں کہ ہمارے پاس ان
کی انکیتوں کا ریکارڈ بھی ہے۔"
"نہر۔ انھیں گھر دیکھ لیتے ہیں۔ ان کے دو ایک
ٹھکانے بھی میرے علم میں ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔"

انھوں نے چلتے ایک کے گھر کے دروازے پر دستک
دی۔ دروازہ خود راجہ نے کھولا۔ لیکن انھیں دیکھ کر
اس کا رنگ اڑ گیا:

"آک۔ آپ۔ لوگ یہاں کیسے؟"

"ہم نے سوچا۔ ذرا آج نام سے چند دیا، بھری باتیں
کی کر لی جائیں۔"

"میں اس وقت بہت معروف ٹھوں میں کہ کر راجہ اندر
جاسنے کے لیے تیار۔"

"اوسے اوسے سنو۔ ایسی بھی کیا جلدی ہے۔ ہمیں تم
سے کچھ کام ہے۔ انکیتو ہمیشہ لے اسے سکائی سے پکڑ لیا۔"

اسے بند گاڑی میں بٹھا دیا گیا۔ گھر والوں کو بہت
نرم لہجے میں بتا دیا گیا کہ اسے کہاں سے جایا ہمارا ہے
اور وہ اس کے بارے میں فکر مند نہ ہوں۔ وہ جلد واپس

آئے والے نہیں۔ ایک بار پھر جیل جانا پڑا ہے۔
 لکھ والوں کے رنگ اڑ گئے۔ پھر اس کی بیوی کی صفائی
 ہوئی کوہاڑستانی دی۔

”کسے کاموں کا بڑا نتیجہ۔ یہ بھی تو نہیں مانتا۔“

اب وہ دوسرے کے گھر پہنچے۔ کوئی گھر نہیں ملا۔
 لیکن گھر والوں نے بتایا کہ ہوٹل شاہی میں ملے گا۔

وہ ہوٹل شاہی پہنچے۔ کھانے کے ال ہیں انہیں کوئی
 اور کچھ اٹھنے ایک میز پر مل گئے۔ دونوں انہیں دیکھ کر بڑی
 طرح اچھلے۔ میز اٹھتے آئے پکی۔

”بھئی ایسی جی کیا جلدی؟ خود نے مسکرا کر کہا۔“

”آپ لوگ کیا چاہتے ہیں؟“

”آپ کو ذرا سرکاری مہمان خانے کی سیر کرائے کے

لیجئے آتے ہیں؟“

”لیکن ہمارا قصور؟“

”جو لوگ دوسروں کو مصروفی جیل میں رکھ سکتے ہیں۔ کیا

وہ خود اصل جیل میں نہیں جا سکتے؟“

”کیا؟“ وہ دھک سے رہ گئے۔

”کیوں؟ تو گئے نا رنگ؟“

”انہیں جی گرفتار کر لیا گیا۔ جنہوں کو دفتر لپا گیا۔“

”اب تم بتاؤ۔ جیل کون ہے۔ اور آج ساہو کون خانا
 ہے؟ انیکٹر جیلڈ نے پوچھا۔“

”بائیں نہیں نہیں معلوم۔ ہم تو صرف تہڑا تھے جیل کے؟“

”اور انیکٹر کون ہے؟“

”ہم نہیں جانتے؟“

”اچھا۔ اس چیز کو پہچانتے ہو تو یہ کہ کر انہوں نے

جیب سے حکایت کا پھول نکال کر دکھایا۔“

”جنہوں اس پھول کو دیکھ کر زور سے اچھلے۔“

جواہر جیشید کے کہا۔

"اودہ ان کے مزے سے ایک ساتھ لکھا۔

پھر انھیں کمرۂ امتحان میں لے جایا گیا۔ اکرام جی وہاں موجود تھا۔ اس نے ان کے جرائم کی تفصیلات اودہ ان کے جیل ہاؤس کی تفصیلات پڑھ کر انھیں سنائیں۔ اس کے بعد انپکٹر جیشید کے ہمراہ

اب ہم تم پر الزام لگانے میں گوتم لوگوں نے ایک دودھ مٹھی چیل تمام کر رکھی تھی۔ تم لوگ بے گناہ لوگوں کو پکڑ پکڑتے تھے۔ ان کے پاس سے بیرون ہو کر آتے تھے۔ یعنی خود ہی بیرون ان کے مکان میں دھک کر بھاگتے تھے۔ پھر انھیں حوالت میں بند کیا جاتا تھا۔ اس کے بعد عدالت میں پیش کیا جاتا تھا۔ جج بھی فرضی ہوتا تھا۔ جو انھیں عمر قید سے کم سزا سیں سناتا تھا۔ عمر قید کی سزا سناتا کہ ان لوگوں کو اس مصنوعی جیل میں قید کر دیا جاتا تھا۔ اودہ پھر اذیت کر دیتے کی شرط پر ان کی تمام دولت ان سے چھک لی جاتی تھی۔ کیا تم اس جرم سے انکار کرتے ہو؟

"ہاں جناب اس قسم کے جرم سے تو ہمارا دُور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

"خیر۔ اگر تمہارا دُور کا بھی واسطہ نہیں تو اس مصنوعی

بڑا مجرم

"بہت خوب! تو تم اس چھول کو پہچانتے ہو؟ انپکٹر جیشید نے مسکرا کر کہا۔

"یہ کبہہ کو کہاں سے ملا؟ کوئی نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"جیلر کے کمرے سے۔ میز کے نیچے پڑا تھا۔ اچھا۔ مڑ کوئی۔ آخر تم اس چھول کو دیکھ کر اس قدر پریشان کیوں ہو گئے ہو؟

"مم۔ میں۔ نہیں تو تم اس نے خود کو خود سنبھال لیا۔ ادھر بولہ کا رنگ بھی اڑا ہوا تھا۔

"تم جیل میں فہرست تھے یا کچھ اودہ انپکٹر جیشید نے اس کی طرف ہنود دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی۔ جیل میں۔ میں۔ کیا مطلب؟

"چلو جی۔ انھیں اب کمرۂ امتحان میں ہی لے جانا پڑے

جیل میں عدالت کے کمرے میں اور حوالات والے کمرے میں تم لوگوں کی "انگلیوں کے نشانات کیوں ہیں؟" ہمارے "انگلیوں کے نشانات" جی نہیں۔ غلط ہے۔

"ہمارے پاس ان باتوں کے ثبوت موجود ہیں۔ اور ان ثبوتوں کی موجودگی میں تم لوگ عدالت میں دم بھی نہیں مار سکتے۔ تم تو لوگوں کو کھلی عدالت میں ہرگز کرتے تھے۔ ہم تو انہیں بالکل اصلی عدالت میں پیش کریں گے۔"

"ضرور پیش کریں۔ جب ہمارا کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔"

"اگر تعلق نہیں ہے۔ تو اس پھول کو دیکھ کر خود سے کیوں ہونکے تھے؟"

"پھول۔ نہیں تو۔ ہم تو آپ کو دیکھ کر ہونکے تھے۔"

"اتنا شدید جھوٹ تو نہ ہو سکتا تھا۔ ہمیں دیکھ کر تم ضرور ہونکے تھے۔ لیکن جب پھول کو دیکھا تو پسینے کی نسبت زیادہ زور سے ہونکے تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ تمہیں معلوم ہی نہیں تھا کہ ہمارے پاس تمہاری "انگلیوں کے نشانات" کا ریکارڈ ہو گا۔ اس لیے تم نے مصنوعی جیل میں احتیاط نہیں کی، ورنہ تم دتائے جی استعمال کر سکتے تھے۔ اور اس صورت میں ہمارا تم تک پہنچنا بہت مشکل ہو جاتا۔"

"ہمت نہیں، آپ کیا کر رہے ہیں؟"

"وہی پتا لگ جائے گا۔ کسی دوسری جگہ انہیں شکنجے میں۔"

"یہ اسی طرح میں مانیں گے۔"

"انہیں شکنجے میں کسا جائے گا۔ اب وہ لگے تھر تھر کاپنے، پھر گولی نے کہا،"

"یہ ظلم ہے۔ ہم عدالت میں جاتیں گے اور اس ظلم کے نقات آواز بلند کریں گے۔"

"تمہیں عدالت میں پیش ضرور کیا جائے گا۔ اور تم وہاں خوب آوازیں بلند کرنا۔ ہم تمہیں ہرگز نہیں روکیں گے۔"

"گلیا آپ یہاں ہم پر ظلم کرنے سے نہیں ڈکیں گے؟"

"لوگوں کا کیوں نہیں۔ ضرور لوگوں کو۔ لیکن تم لوگ بھی تو اپنا جرم قبول کر لو۔"

"ہم نے کوئی جرم کیا ہو تو قبول ہی کریں۔"

"یوں نہیں مانیں گے جی۔ ٹیڑھی کھیر جی۔"

"ٹیڑھی کھیر کو سیدھا کرنا یہاں کیا شکل ہے سسر اکرام نے ہنس کر کہا اور پھر شکنجوں کے ٹپن دبا دیے گئے۔"

"ان کی جینیں آسمان سے ہاتھیں کرنے لگیں۔ پھر وہ چلائے گئے۔"

"دو کو۔ دو کو۔ بند کرو۔ ہم مانتے ہیں۔ سب کچھ بتاتے ہیں۔"

"یہ ہوتی نا بات" انپکڑ جھیلے کہا اور انھیں سوچنے لگے
کرنے کا اشارہ کیا۔

سوچنے آف ہوتے ہی ان کی جان میں جان آتی۔
"ہاں اب بتاؤ"

"یہ درست ہے۔ ہم مصنوعی جیل چلا رہے تھے۔"

"یہ ہوتی نا بات۔" راج کا گزارہ کون ادا کرتا تھا؟
"ہاں۔" ٹومی نے کہا۔

"بہت اچھے۔ اور انپکڑ کا؟"

"انپکڑ میں نہیں۔" راجر ہولا۔

"راج بھی آگئے۔ انپکڑ بھی۔" وہ مجھے جیلر صاحب۔ تو
وہ تم تھے بھولا؟

"ہاں جناب! یہی بات ہے۔"

"بہت خوب۔ کیس مکمل ہو گیا۔ یہ پھول کوٹ کے
لار میں تم لگاتے تھے مسٹر بھولا؟"

"ہاں! اس نے کھوئے کھوئے مانداز میں کہا۔"

"اگرام! وہی کے بیانات کھوئے۔ دستخط کراؤ۔ اور

انھیں حوالہ کی بجائے براہ راست جیل بھیج دو۔ اور

دولت انھوں نے جہاں جمع کر رکھی ہے۔ وہاں چھاپے

مارو اور تمام دولت برآمد کرو۔"

"جی ہنسنا! اس نے کہا۔"

اور وہ باہر نکل آئے۔

"تو یہ کیس اس طرح ختم ہوا۔ کمال ہے! فرزند بڑا ثانی۔"

"کیوں! اس میں کمال کیا ہے؟"

"مطلب یہ کہ۔" کچھ مزا نہیں آیا۔

"جتنی مزا سے لاکھیا ہے۔ وہ تو آگاہی دہتا ہے۔"

اگر اس کیس میں مزا نہیں آگیا تو نہ سہی! فادوقی نے مزہ
بڑا کر کہا۔

"تم کہنا یہی چاہتی ہو؟ انپکڑ جھیلے نے خزانہ کی طرف
منکرا کر دیکھا۔

"پاپ۔ پتا نہیں۔ مجھے تو معلوم بھی نہیں کہ میں کیا

چاہتی ہوں۔"

"تو پھر خاموش رہو۔ ہم گھر جا رہے ہیں۔ یہ بھی ختم

ہو چکا ہے۔" ان فادوقی نے اسے گھودا۔ باقی لوگ منکرا

دیتے۔ ایسے میں فرزند نے جھٹکا کر کہا۔

"میں کیس دوبارہ شروع تو نہیں کر رہی۔ کھانے کو

کیوں روک رہے ہو؟"

"نہیں تو۔ میں تو گاڑی میں بیٹھا ہوں؟"

"اوسے۔ وہ سگریٹ کے ٹکڑے تو وہ ہی لگے! انپکڑ

حشید نے اسے کہہ کر کہا۔

"اوہ ان اسکرپٹ کے ٹکڑے۔ جو جیلر کے کمرے سے لے گئے۔"

"ایک منٹ۔ اکرام ابھی انہیں لے کر روانہ نہیں ہوا ہو گا۔ یہ کہہ کر انہوں نے اکرام کو وائریس پر مخاطب کیا۔
"ایلو اکرام۔ ہمارے ریکارڈ کے مطابق یہ تینوں سکرپٹ پتے ہیں یا نہیں؟"

"جی۔ سکرپٹ۔ نہیں۔ ریکارڈ میں تو یہ بات نہیں ہے اکرام نے بتایا۔"

"خیر۔ ان سے ذرا سہمہری انداز میں پوچھ لو۔ سکرپٹ پیش کرنے کے انداز میں یہ کہو کہ اگر تم لوگ سکرپٹ پتے ہو تو منگوا دیے جائیں۔ اگر وہ کہیں کو ہیں۔ تو پوچھنا کون سے؟"

"اوکے سر۔ میں ابھی ان سے بات کر کے آپ کو بتاتا ہوں۔
"ٹھیک ہے۔"

"تین منٹ بعد اکرام نے ان سے وائریس پر بات کی۔
"سر۔ ان میں سے تو کوئی بھی سکرپٹ نہیں پتا۔
"ایک منٹ۔ انہیں ابھی وہیں رکھو۔ ہم آرہے ہیں۔"

"احت تیرے کی۔ ہمیں پھر سے شروع ہو گیا۔ فاروق نے جھٹک کر محمود کی ران پر ہاتھ مارا۔

"یہ تمہاری نہیں۔ میری ران ہے۔"

"تو بیکہ سکلام بھی تو تمہارا ہے۔" فاروق نے فوراً کہا۔
"بہت خوب۔ انصاف اسی کو کہتے ہیں شاید۔ فریڈ نے خوش ہو کر کہا۔

"وہ ایک ہاد پھر دفتر میں داخل ہوئے۔ ہلد ہی ان تینوں کو بلوایا گیا۔

"تو تم سکرپٹ نہیں پتے؟"

"جی نہیں۔ بالکل نہیں۔"

"نہیں سکرپٹ پتے تھے؟"

"ہاں۔ نہیں چار نذرانہ ضرور سکرپٹ پتے تھے۔"

"باقی نذرانوں کو ہم کہاں سے گرفتار کر سکتے ہیں؟"

"ان کے ذاتی پتے تو ہمیں معلوم نہیں ہیں۔"

"تم نے انہیں اس نگارمت پر کس طرح آمادہ کیا تھا؟"

"جب بھی کوئی پراگماتیہ جیل سے باہر آتا تھا۔"

"ہم اس سے بات کرتے تھے۔ اس طرح ہمارا بارہ آدمیوں کو گروہ بن گیا۔ ہم چونکہ جیل کے دروازے پر ہی

"ملاقات کر لیتے تھے۔ اس لیے آج تک گھر کے پتوں کی

مہرقات پیش نہیں آتی تھی۔

"اب ہم ان نیرادوں کو کس طرح گرفتار کریں۔ اور اکرام۔ دولت کے بارے میں اھول نے کیا بتایا ہے؟" انپکٹر جمیڈ نے۔

"ان کا کہنا ہے۔ دولت تو وہ ساتھ ساتھ اڑاتے رہے ہیں۔ اس میں سے تو کچھ ہی باقی نہیں ہے۔"

"یہ ان لوگوں کا بہت بڑا جھوٹ ہے۔ ہمیں ان کے ٹکڑوں پر چھاپے مارنا پڑیں گے۔ تب کہیں یا کر دولت برآمد ہوگی۔"

"تو میں ابھی چھاپے مارنا شروع کر دیتا ہوں۔" ان کا یہ ٹھیک رہے گا۔

نوٹی، تھیدا، گرمی، داجر اور بوجھا کے گھروں اور دوستوں کے گھروں کو کھنگال ڈالا گیا۔ لیکن ان کے گھروں سے بہت کم دولت مل سکی۔ کسی بینک کی بینک بک بھی نہ مل سکی کہ بینک سے ہتی پتا کر سکتے۔

"ان لوگوں کو اگر ایک بار پھر تھکنے میں کما جائے تو شاید یہ باقی لوگوں کے نام اور پتے بتا دیں گے۔" اکرام نے تجویز پیش کی۔

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔"

اسی ترکیب پر بھی عمل کیا گیا، لیکن وہ کسی اور کا نام بتا نہ سکا۔ انپکٹر جمیڈ نے ان سے ایک اور سوال کیا: "اچھا یہ بتاؤ۔ تم لوگوں میں سے جیلر کون ہے؟" "جیلر ہم سے کوئی نہیں ہے۔ جیلر کوئی اور ہے۔" ہم اس کا نام بتا ہی نہیں جانتے۔

"اور کیا وہی تم لوگوں کا انچارج ہے؟" "ہاں! ساری دولت اس کے پاس جمع کرائی جاتی ہے، پھر وہ ہمیں حصہ دیتا ہے اور تنخواہ بھی۔"

"اچھا! جیلر سگریٹ پیتا ہے؟" "ہاں! سگریٹ تو پیتا ہے۔" "شکر ہے! ہم دیکھ لیں گے۔" انھوں نے دیکھا۔

اب انھوں نے اکرام سے کہا: "ان لوگوں کو میں اپنی نگرانی میں جیل پہنچانا چاہتا ہوں، تم بھی ساتھ چلو۔" "او کے سر۔"

وہ اسی وقت جیل پہنچے۔ ان پانچوں کو ساتھ لیے وہ جیلر صاحب کے کمرے میں داخل ہوئے۔ کاظم بیگ کسی فائل میں غم تھے۔ آہٹ سن کر چونک اٹھے اور پھر ان کے چہرے پر حیرت پھیل گئی۔

"کیسے آئیے۔ یہ آپ کس وجہ کو ساتھ لائے ہیں؟"
 "اب آپ کی جیل میں قیدی کی حیثیت سے رہیں گے۔"
 "میں انہیں سزا سنا دی گئی ہے؟"
 "نہیں۔ مقدمہ تو ان پر اب چلے گا۔"
 "اوہ اچھا۔ لیکن ان کا کیا جرم ہے؟"
 "انہوں نے ان کے جہاز کی تفصیل سنا دی۔ وہ خاموشی سے سنبھلے رہے، چہرہ دھونے۔"
 "یہ کہانی سن کی جیت ہوئی؟"
 "ابھی آپ کو اور جیت ہوگی۔"
 "وہ کیسے۔ کیا اس کہانی کا ابھی کچھ حصہ رہتا ہے؟"
 "ہاں بالکل! ابھی سب سے بڑا مجرم گرفت میں نہیں آ سکا۔"
 "آپ کا مطلب ہے۔ وہ بچ؟"
 "جی نہیں۔ وہ جیلر۔ آپ بھی اتفاق سے جیلر ہیں۔ اور آپ سگریٹ جی پی پی رہتے ہیں؟"
 "میں سگریٹ جی پی پی رہا ہوں۔ یہی مطلب؟"
 "مطلب یہ کہ اگر آپ اس جیلر والی سگریٹ پی رہے ہوں تو ہم آپ پر جی شک کر سکتے ہیں۔"
 "آپ شاید مذاق کے موڈ میں ہیں؟"

"جی نہیں۔ آپ اپنا سگریٹ مجھے دکھائیے ڈرا۔"
 "سٹر انٹیکٹر جیٹ۔ آپ ہوش میں تو ہیں؟"
 "جی ہاں، بالکل۔ بالکل ہوش میں ہوں۔ آپ یہ سگریٹ دکھائیں ڈرا۔"
 "یہ کہہ کر انہوں نے سگریٹ ان کے ہاتھ سے اٹک لیا۔"
 "یہ۔۔۔ کیا؟"
 "لیکن انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ تو اس سگریٹ کو اس سگریٹ کے ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑے سے ملا رہے تھے۔ جو جیلر کے کمرے سے ملے تھے۔"
 "وہ امرا آگیا۔ یہ دونوں بالکل ایک جیسے ہیں؟"
 "تو کیا ہوا۔ نہ جانے کتنے آدمی ایسے سگریٹ پیتے ہیں۔"
 "کیا اس طرح آپ مجھے مجرم ثابت کر سکتے ہیں؟"
 "جی نہیں۔ صرف اتنی سی بات سے تو ہم آپ کو مجرم ثابت نہیں کر سکتے۔"
 "تو پھر آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟"
 "مشکل یہ ہے کہ۔ جیلر کی انگلیوں کے نشانات بھی تو ہمیں دلوں سے ملے ہیں۔ اب اگر آپ کی انگلیوں کے نشانات بھی ان نشانات سے مل جاتے ہیں تو اس صورت میں اس سگریٹ کے ٹکڑے کا مل جانا بہت اہم ہو جاتا ہے۔"

"نہیں۔ نہیں۔ میری آنکھوں کے نشانات وہاں ہرگز نہیں ہو سکتے۔ جیلر صاحب نے ہر زور آواز میں کہا۔

"لیکن کیوں؟

"اس لیے کہ میں ہمیشہ وہاں دستانے۔۔۔

جو ایک جھٹکے سے ڈر گیا۔

"شکریہ جیلر صاحب۔ ہمیں آپ کے اسی الفاظ کی ضرورت تھی۔ یہ بات ہم جانتے تھے کہ سگریٹ کے ٹکڑے والا ثبوت مکمل ثبوت نہیں مانا جائے گا۔ اور آپ کو ہم وہاں دستانوں میں دیکھ چکے تھے۔ لہذا آپ پر غرم کسی طرح ثابت کرتے۔ سو میں نے یہ چال چلی اور دیکھ لیں، آپ میری چال میں فوراً آ گئے؟ ایکٹر جیٹ نے کہا۔

"لیکن آپ میرے ان الفاظ کو عدالت میں کسی طرح ثابت کریں گے۔ میں کہہ دوں گا کہ میں نے یہ الفاظ نہیں کہے۔"

"شکریہ! اب میں آپ کے جی الفاظ کی ضرورت تھی۔ وہ آپ نے اب ادا کر دیے۔ اب ہمارا کام اور آسان ہو گیا۔ ایکٹر جیٹ مسکرائے۔

"کیا مطلب؟ وہ زور سے اچھلا۔

"یہ کہ۔ آپ کے تمام الفاظ نوٹ ہو چکے ہیں۔ مطلب یہ کہ ریکارڈ ہو گئے ہیں۔

"نہیں۔ نہیں۔"

"بکرے کی ماں آخر کب تک خیر منائے گی۔ آپ لاکھ بلا لاکھ سی۔ لیکن ختم تو ختم ہے۔ ایک دن ظاہر ہو کر رہتا ہے۔ جیلر صاحب۔ اگر ام ان کے ہتھکڑیاں لگا دو۔ یہ جی کیا یاد کریں گے، کسی دہائی سے پالا پڑا تھا۔

مجرم ٹھک رہ گیا۔ شاید اس کے افسانوں کی جان نکلی گئی تھی۔ پھر اس کے بگ سے اور گھر سے تمام دولت اکٹھا کر لی گئی۔ اور نوٹے جانے والوں کو بڑی حد تک لٹائی گئی۔ ان میں وجہ میر جی تھا۔ اس کی خوشی کا تو ٹھکانا ہی نہیں رہا تھا۔ اور یہ وجہ میر ہی تو تھا۔

جس کے ذریعے یہ کیس شروع ہوا تھا۔ اور یہ اندھیرا نہ جانے کب تک جاری رہتا۔

سب کو قوم ملنے کے بعد کہیں جا کر انھوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ گھر پہنچے تو فارتوق نے غمو سے کہا: "پچھلے تم اپنے نبوت کی خبر لو۔ آخر وہ حضرت کہاں رہ گئے تھے۔"

"بتایا تو تھا۔ بتنا بدلا تو وہ اس جوتے کی ایڑی

میں وہ گیا، جو آثارِ تھنا

”میرا بی فرما کہ یا تو تم ہر جوتے کی اڑی میں ایک
 پاؤں رکھو۔ یا پھر جوتے نہ لیا ہی نہ کرو“ فرزانہ نے ترکیب بتائی
 ”تمہارا مطلب ہے۔ میں ساری زندگی ایک جوتے میں
 گزار دوں۔“

”جوتے میں زندگی گزارنے کو تمہیں کچھ دیا ہے۔ فرزانہ
 نے جتنا کر کہا۔“

”بلکہ تم زندگی میں جتنا گزارو، قادیان قادیان ہو۔
 اور وہ مسکرائے گئے۔“

